

# سرود غزل





شیخ مبارک علی تاجر و ناشر کتب

اندرون لوہاری دروازہ - لاہور



# سُرودِ غالب

یوسف بُخاری  
(دہلوی)

خاتمہ اور روشنی

میر تقی حسین فاضل  
(لکھنؤی)

|                              |   |   |   |                 |
|------------------------------|---|---|---|-----------------|
| ۱۸۲                          | - | - | - | سلسلہ مطبوعات   |
| سرود غالب                    | - | - | - | نام کتاب        |
| یوسف بخاری دہلوی             | - | - | - | مرتب            |
| مفتی حسین فاضل کھنوی         | - | - | - | خاتما اور روشنی |
| احمد علی شیخ (ماہک ہجوم دار) | - | - | - | ناشر            |
| فروری ۱۹۶۵ء                  | - | - | - | اشاعت اول       |
| علی پور تھانہ کس پور         | - | - | - | مطبع            |
| شیخ نیاز احمد صاحب           | - | - | - | زیر نگرانی      |
| ۱۰۰۰ (ایک ہزار)              | - | - | - | تعداد           |
| سفید کاغذ - ۱۲/              | - | - | - | قیمت            |
| دھ کاغذ - ۹/                 | - | - | - |                 |

سطح کا پتہ :-

شیخ مبارک علی ناشر و تاجر کتب

اندرون لوہاری رومازہ ، لاہور

(پاکستان)



## فہرست

|     |                                 |
|-----|---------------------------------|
| ۵   | مقدمہ - سید تقی حسین فاضل کلونی |
| ۲۳  | حرفے چند - یوسف بخاری (مترجم)   |
| ۳۱  | موج عرفاں                       |
| ۵۵  | شمع ہدایت                       |
| ۶۹  | سوز و ساز                       |
| ۹۳  | سیرِ ناز                        |
| ۱۱۳ | رودادِ عجم                      |
| ۱۳۷ | رنگ و بو                        |
| ۱۴۷ | در حدیثِ دیگران                 |
| ۱۸۹ | مناقب                           |
| ۱۹۷ | روشنی اور وسعت                  |



# مقدمہ

ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال

فاضل لکھنوی





اکبر اعظم نے لاہور اور آگرہ کے کئی بستیوں کو عظیم شہروں میں بدل دیا تھا۔ یہ عظمت علم و فن کے رنگ و روغن سے عبارت تھی۔ یہاں محمود غزنوی کے دربار کا نقش ثانی نیا کر گیا۔ بڑے بڑے مہماں اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کے فنکار جمع کیے گئے۔ موسیقار، نقاش، سنگ تراش اور شاعر، نثر نگار اور مترجم آئے۔ سیاست دان، جنگ آزمودہ سپاہی اور جرنیل، جغرافیہ دان اور محاسب، مذہب کے علماء اور گھاٹ گھاٹ کا پانی پیے ہوئے سیاح و آجڑہ، حکیم اور طبیب سب ہی تھے۔ ان میں قد آور شخصیتیں اور معیاری فنکار قطار اندر قطار دکھائی دینے لگے۔ آگرہ سے کشمیر تک بہار، افسر میں ہوا میں اور نعمت گنج صدائیں تھیں۔ سپاہی کو تلوار اور ادب کو قلم استعمال کرنے پر داد بھی ملتی تھی اور صلہ بھی، القاب و خطاب بھی حاصل ہوتے تھے اور جاگیر و منصب بھی۔ اکبر نے آئین و رسوم کی جو اصلاح خدائی تھی وہ جہانگیر و شاہجہاں کے عہد تک قائم رہی۔ فن کی قدر تھی اور فنکار کی عزت، اپنی اپنی جگہ جو احترام سپاہی کا تھا وہی عالم کا، جو مرتبہ عالم کا تھا وہی عزت شاعر کی۔ دونوں بادشاہوں کے کفن گئے اور دھن پاتے تھے۔

عالم گیر کے زمانے میں ریشاہی باغات کے پودے بڑھ کر اتنے تناور ہو گئے تھے کہ انہیں شاہی توجہات سے بے نیازی حاصل ہو گئی۔ ادب کی قدر دانی و درباری افراد کی سطح سے اتر کر معاشرے کی ہیئت مجموعی میں داخل ہو گئی۔ شعر و ادب کی نئی قدروں نے قدامت و روایت، تاریخ و تہذیب کو مکمل طور پر اپنا لیا۔ شاہ عالم ثانی سے اکبر ثانی تک جو طرفان اُٹھے اور سیلاب آئے وہ جاگیریں لے ڈوبے، سسپا ہیانہ جذبے بہا لے گئے، مدبروں

اور ماہروی کو ڈبو گئے۔ بہادر شاہ ظفر کا دور تو کسی بڑے سمندر میں ایک اڈے سے لٹاپے کے مانند تھا۔ لوگ طوفان کے ہاتھوں لٹنے والی کشتی سے پانی میں گرے۔ کچھ ڈوب گئے۔ کچھ اس ٹاپوں میں پہنچ کر بسرود ہو گئے۔ اُن کا خیال تھا کہ اگر کچھ دن اور زندہ رہے اور ادھر سے گزرنے والوں نے دھکیں پھکیں، نہیں دیکھ لیا تو کشتی سواہروں کو راستے کی شکلوں سے نئی راہوں سے اور آگے والی منزلوں سے جانبر کر دیں گے۔ اور اگر نہ ہو، تو بد اسے خوشحالی اور پانی کے دونوں دیرانے برابر ہیں۔ نہ مزار کی نگہ نہ نشان کی امید۔

اسی مہینہ سال میں شاہی کے زیر سایہ زندگی نے ایک پگھلائی بنا لی تھی۔ ذوق برق زندگی پھر حسرت و فراق اور بھڑکھٹا لہجے کے نام تھا حیات۔ کچھ آداب و رسوم، کچھ قیود و تقاضا عزتیں ہو، جاگیر، زمین، تختہ ہو، عہد ہو، دربار میں نام ہو، بادشاہ کو نذرین واجب ہے خواہ پانچ روپے اور ایک اشرفی ہی ہو اور شاہ گروہ سے مٹھائی لی جائے گی خواہ وہ قرنہ دار ہو جائے۔ ایک بڑی دسین ڈیڑھی دار عمل سزا، زمانہ دار و مرغان خانہ ہو۔ میٹھاک میں درچارہ و آستان گو، ایک دو مناسب شاعر اور نجومی بیٹھے ہوں۔ ساقی و مطلب، معشوق و شراب ہو۔ مشاعرے ہوں، دولت کے مضامیرے ہوں، مذہب کی پاسداری بھی ہو اور غلامی ہوں سے ذرا سب کو گناہ بھی کرے یا نہیں ایک خوبصورت، اعلیٰ درجے کی لطافت سے راہ و رسم ہیں، ہو اور چٹک میں تاش، گنجد، جو سہرا، پچیس بھی ہوتی رہے۔ دوچارہ جواری ہر وقت حاضر ہوں۔ یہ سچے دل کے بہادر سے اور کٹھنوں کی فانی یا جاگیر داری کی بالکل آخری نشانیاں، جسے دلی کا ہر اُوچا آؤں بڑائی کا لہرہ جھٹکا تھا۔ ہر ایک کی تمنا تھی کہ وہ بار میں اُس کا آنا مانا ہو۔ دربار کے حاضر باشوں کی خواہش تھی کہ خزانہ سے کچھ دھن دھن ہو۔ غلیظہ دار خطاب، اور منصب کے متقی ہوتے تھے۔

منصب کیا تھا؟ عرض نیکی، ناظم بیعتات، وزیر اعظم یعنی امیر الامرا، بخشی، حکیم، کلام کی کا کچھ تھا۔ اُن مثل دربار کے سہارے نام پانے کا ایک اچھا ذریعہ تھا۔ اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ آمدنی بھی ہوجاتی تھی۔ مشاہیر و بڑا تو ہزار دو ہزار سے پانچ روپے تک، جاگیریں تو دس بیس ہزار

ہم کی۔ آخر بہادر شاہ کی آمدنی ہی کیا تھی؟ لاکھ سرائی لاکھ روپے ماہوار تنخواہ، کچھ اہلک خالص کی آمدنی بھی لاکھ کیجیے، تین چار لاکھ روپے کا خرچ، بہت ہاتھ کھینچ کے رکھا، جب بھی کچھ نہ کچھ قرض لینا پڑا تھا۔ پھر اس قرض کی ادائیگی کے لیے ریڈیٹنٹ اور گورنر جنرل کی منت خوشامد کی۔ کسی حق سے دست بردار ہونے کی ہمت نہ ہوئی تو تھوڑی بہت رقم مل گئی۔

اب اندازہ کیجیے کہ غائب کا معاشرتی ماحول کیا تھا اور اس ماحول میں غائب کا درجہ کیا ہو سکتا تھا؟ اُن کے والد جاگیر دار نہ تھے، اُن کے دادا مثل دربار کے امیوں میں نہ تھے۔ وہ خود دلی کے شہزادوں، نواب زادوں، قاضی زادوں اور علماء کے خاندان سے تعلق نہ رکھتے تھے بلکہ دلی تو اُن کی زادوبوم بھی نہ تھی۔ اگر سے میں رہے سہے شادی بھی ایسے خاندان میں ہوئی جو خاص دہلوی دھندلے پر مہنگا کر ہوتا کہ باپ اور چچا کی زمین و تنخواہ و اعزاز سے محروم سے قوت پانے۔ انگریزوں کی نشن دلی والوں کے نزدیک قلعے کے پانچ روپے کا بھی مقابلہ کر سکتی تھی۔ اور غائب بنیال خود غلام حسین خان کیدان کے نواسے نصر اللہ بیگ خاں عمریدہ دار آگرہ و منعبندہ کوپنی بہادر کے بھتیجے اور مرزا، اپنی بخش خاں معروف کے داماد تھے، انہیں اپنا رکھ رکھاؤ بنانے اور وقار بڑھانے کے لیے بڑی محنت کرنا پڑی۔ ان کی دولت مندی اور عظمت اتنی نہ تھی کہ وہ اپنے معاصروں میں ممتاز درجہ حاصل کرتے۔ لہذا گھر کا اثاثہ بیچا، اونچی صحبت میں بیٹھے کمپنی سے ملنے والی پیشین گوئی نوادار کر دیا۔ انگریزوں کے درباروں سے خلعت حاصل کیے اور مطالبہ کیا کہ انہیں لندن سے ملک اشترائی "میساکوئی خطاب مل جائے۔ جوانی کے آغاز ہی سے احساس کمتری نے شکل کی صورت اختیار کر لی۔ اس جذبے کو دہانے اور اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے انہوں نے دشت قیچاق کے تیسوں سے رشتے کا اعلان کیا اور دارالانہر کے نامزدوں اور اُن کے کلمیوں سے شجرے لاسے۔ حد یہ ہے کہ تیمور و چنگیز و افرا سیاب تک پہنچے۔ جب نسب نامہ کے سہارے کچھ ڈاکو تکیوں ہوئی و حکمران قوم کی دوستی اُن کے ساتھ بادہ فوجی کر کے شہر کے بادشاہ امیوں کی پہلو نشینی کو اس پرستار کیا۔ وہ ایلا نہ ٹھاٹھ باٹ قائم کر کے بجائے خود امیر ہو گئے اور

دلی کے ایک محلے میں مقیم رہا بہت منفرد انداز کا وقار قائم کر لیا۔ خاص قسم کا ولایتی لباس، ویسی ہی کشیدہ قامتی اور خود غال، وضع قطع، امارت آمیز سپاہیانہ اخلاق و عادات۔ ذرا خود دارانہ سیل جول، اپنی انفرادیت کا خیال، اپنی جدت پسندی اور بلند خیالی سے مرکب ایک شخصیت بنا لی۔ مگر ابھی تک "مرزا نوشہ" ہی کہے جاتے تھے۔ یہ بات اُن کے لیے مُربان مُردہ تھی، وہ یہ نام سن کر بیچ اُٹھتے تھے۔

سیکھے ہیں مردشوں کے لیے ہم صمدی

تقریب کچھ تو بہر ملاحظات چاہیے

بیچنے میں اور بُری عاقبتوں کے ساتھ ساتھ شاعری کا چمکا بھی لگ گیا تھا۔ میں بائیس برس کی عمر تک فارسی کے عجرب اور تبرصیر کے نامور شاعر مرزا بیدل کے رنگ میں کچھ غزلیں بھی کہہ لیں تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ اگر میں نے اس رنگ میں مقبولیت حاصل کر لی تو اُوں نے حلقوں میں اور علمی محفلیں میں میرا سکہ بیٹھ جائے گا۔ مگر اُن کا ریتہ رنگ فارسی نہ مانا گیا، اس لیے اُردو چھوڑ کر فارسی کی طرف آئے، اور اسد سے غالب بنے۔ یہ تبدیلی شعر کی حد تک بُری خوشگوار تھی، انہوں نے فارسی شاعری کے لیے بیدل کے بجائے غزنی کو خضرِ راہ بنایا۔ غزنی اور غالب میں نفسیاتی مماثلت بھی تھی، اس کو بھی حریفوں کے برابر سمجھنے والے کم تھے، مگر کاروبار میں اس کا اعزاز بھی کچھ نہ تھا۔ اس کے ساتھی منصبدار تھے اور دُہ غریب شہر ایک ایک کو حسرت سے دیکھتا تھا۔ لیکن اُس کی بات سُننے والے داد دینے کے بجائے بیدار کرتے تھے۔

غالب بھی اسی قسم کے حالات سے دوچار رہا۔ غزنی کی اشک شوقی خالص خاناں نے کی۔ غالب کو آخر میں پہلور شاہ ظفر مل گئے۔ غزنی کی جوان مرگی نے اس کا بھرم بکھ لیا، غالب کی جوانی کا کامیروں کا شکار ہوئی اور بڑھاپے میں اُسے ان لوگوں کی مدح کرنا پڑی جو اس کی خودداری کے قائل تھے، مگر وہ خود اُن کی دست گیری کا ممنون اور ان کے احسان کا

شکر گزار تھا۔

غالب سمجھتے تھے کہ ان کے باوجود ان کے کوشش اور جدوجہد، جو صلہ مند و شجاع خاندانوں کا چشم چراغ تھا جو بہادریوں کی چٹانوں سے ٹکراتے تھے۔ جبیں تیاروں اور باؤں کے کس کیل پر فخر تھا۔ اس کے باپ، دادا، چچا اور نانا سپاہی تھے وہ عوامی سپاہی فخر تھا۔ لیکن اس وقت نے فوج بنادیا تھا۔ وہ فوجی میں بھی بائیں برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ حالات کی نامانگاری نے یہ بھی نہ ہوسکے دیا۔ اب ایک ہی مفر تھی اور وہ خدا داد ملکہ ادب و شعر گوئی تھا۔ یہی ظاہر کو باطن اور باطن کو ظاہر میں بدل دینے کے لیے قلم زبان کی درخش۔ یہی کیلئے اسے سب سے بڑی انفرادیت اور طویل زندگی عطا کی۔

غالب، لاوارث فرزند، ناکام و نیم خودہ جوان، مالوس و سرست زدہ ہو رہا تھا۔ باپ کی معتبروں سے محروم، بچائی فوارشوں سے محروم، دولت سے محروم، علمی اعزازات سے محروم۔ کوشش کی تھی کہ چھپا کے بعد خزانہ کھینی بہادر سے براہ راست پیش منے ناکامی ہوئی۔ چھپا کے بعد کو پیش ان لوگوں کے لیے مقرر ہوئی تھی اس کی رقم دس ہزار سالانہ ہونے لگی۔ لکھنؤ میں شاہی دیار بے پائی کر سے نہ ہو سکی۔ کلکتہ میں انگریز کوئی ادنیٰ اعزاز یا ایوارڈ دلا دیں، ممکن نہ ہوا۔ ان ناکام کو ریشہوں سے شامت ہمسایہ میں اضافہ ہو گیا۔ سرمایہ ایک تو پیسے ہی کچھ نہ تھا اب مزید زیر باری ہو گئی۔ ناریشیں ہوئیں اور قرضہ ہوں نے حسرتیں پوری کر لیں۔ لازم امارت میں ایک بات باعث رونق کا شانہ تھی (خطرہ، چھپسی، تاش، گنجھ)، اس کا خزانہ یہ بھگتنا پڑا کہ سترابی، بڑا نہ ہوا، اخباروں کے ذریعے پورے ملک میں بدنامی مگر نسل خصوصیات اور مزاج کی افتاد نے سہارا دیا۔ یا اس کو شکست ہوئی اور غالب پر حیثیت:

نجم الدولہ، دبیر الملک فواب مرزا اسد اللہ خاں بہادر نظر م جنگ

کے لقب سے لقب ہو گئے۔ گویا اب ادنیٰ طور پر، نہیں ابوالفضل کا مرتبہ ملے اور تاج و تخت دولت تیری ان کھنے کا منصب ملا۔ چھپا پورے کا ملعت معرین رقم جواہریتی جھیندو سر تاج

و جمال مرور بدعا کیا گیا۔ پچاس روپے ماہوار تنخواہ منظور ہوئی۔ اور کچھ دن بعد علی عہد بھر بادشاہ کی  
آسادی کا شرف بھی حاصل ہوا۔

اس پس منظر میں غالب کے ذہن اور فن نے نشوونما پائی۔ مشکلات میں دن گزارنا اور  
ایسویں میں مسکراتا، غموں میں نہ سنا، کش مکش حیات سے مغاہمت، آزار پسندی، مصائب  
کا خیر مقدم کرنے کی جرات نے غالب کو ذہنی پھیلاؤ عطا کیا۔ ان کے اظہار میں نیکیاں اور  
دلہن میں تاشیر کی جڑوں سے فنی برتری مل۔ بلند تہمتی اور سپاہیانہ طبیعت نے انہیں شکست  
ماننے پر کبھی تیار نہ ہونے دیا۔ زمانے نے انہیں جب گرایا وہ نئے تیرے کر لٹے، اسی تیرے  
کو کبھی تعریف کا نام دیا جاتا ہے۔ غالب کا تصوف کبھی — خود داری اور آنا سے تعبیر  
کرتے ہیں۔ اسی زور و جہاں جتنی کو منتر کا پیرائے میں بچھایا جاتا ہے اور اسی کا نام فلسفہ حیات  
رکھا گیا ہے۔ اسی کشاکش ظاہر و باطن نے غالب کو آفاقی تہمتی اور اسی وسعت تجربے نے غالب  
کے مشاہد میں گہرائی اور بیان میں گیرائی پیدا کی، انہیں نے حشرات کو سرتوں کا لباس عطا کیا اور  
موت کو زندگی، کانٹوں کو پھول، تشنگی کو سیالی، ذرہ کو کھرا، چنگاری کو شعلہ، قطرہ کو دریا مان  
کر آئندگی حاصل کرتی۔ غالب کی یہی آسودگی تو مزدور، ستم رسیدہ، پریشان ذہن اور زندگی  
سے تنگ آنے والے عاشق و بدامیرس، مفکر و ادیب، فلسفی و ماسندان کو سکون بخشتی ہے  
اس کی ذہنی لمبھوں کا مداوا کرتی ہے، اور ہر شخص و دیوان غالب پڑھ کر ایک لطف و مسرت  
کرتا ہے۔ یہ سکون آفرین غالب کا فن ہے۔ جذباتی کیفیتوں کی حکامی، ذہنی تاثرات سے ثقیب  
نتائج کا استخراج، اپنے دل کی بات اس طرز کہنا کہ دوسرا سمجھے کہ دراصل یہ اسی کے خیالات  
کا بیان ہے۔

غالب کا ذہن ایسے آزاد افکار کا خزانہ ہے۔ اس کا دل ہیلوارڈ جذبیت سے لبریز ہے اور آزاد  
فکر کا تقاضا ہے کہ دولت و د عالم ملے تو آسودہ نہ ہو۔ شجاعانہ جذبہ چاہتا ہے کہ زیر دست و  
آئادہ عاجز و بے نوا کی جتنی بھی مدد کی جائے کم ہے نتیجہ یہ ہوا کہ :

دو فوج جہان میں کے کھجے کہ خوش رہا  
یاں آپڑی یہ بحث کہ تکرار کس کس  
امیر دولت کے سہارے عزت چاہتا ہے ، بہادر کیردار کے فدیہ نامیری کی تمنا کرتا ہے :

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا  
جامِ جم سے تو مراحبِ دروغ اچھا ہے  
دولت مندی و سرمایہ داری سے مجبور و فکری ٹھہرتا ہے بدلتا ہے اس کا لازمی نتیجہ طغیان  
اور ہل پسندی ہے۔ غربت و نا کافی مسلسل جدوجہد کی دعوت دیتی ہے۔ اگر آدمی بندہ حوصلہ  
برقو آئے صحرا سے جستجو میں منزل میں دشمن سے نئے نشان نصب کرنے اور نئی منزلیں بنانے  
کا حوصلہ ہوتا ہے۔ غالب! اپنی خوش نصیبی کا پیش رو ہے ، وہ پہلے منزل درہنہ کی تلاش  
میں نکلا :

چلتا ہوں تھوڑی دُور ہر اک تیرے رُوح کے ساتھ  
پہچانتا نہیں ہوں ابھی لا بہرہ کو نہیں  
پھر اُسے ایک ناگوار واقعہ پیش آیا۔ بے وفائی ، گمراہی اور نفسا نفس کے شکار ہونے والے  
رہنما دیکھ کر اُس نے حلال کیا :

کیا کیا بخت نے سکندر سے  
اب کسے رہنما کرے کوئی  
اب تجربے غائب کو نکھارا ، جیسے سنا تپ کر کندہ بن جائے۔ اسی طرح غالب کی شخصیت  
انجری اور اس نے انفرادیت کو نمایاں کیا :

لازم ہے کیا کہ خُصرت کی ہم پیروی کریں  
مناکر اک بزرگ ہمیں ہم سفر لے

سفر بے حصر، بیابان بے منزل کو دیکھ کر ایک خیال آیا اور یہی خیال زندگی بنیاد ہے  
— خیال یہ ہے کہ آخر سفر خود بھی تو ایک مقصد ہے۔ حرکت اور گردش زندگی کا دوسرا  
نام ہے۔ ناکامی مسلسل بھی تو ایک کامیابی ہے۔ منزلوں کو سراپ اور سراپ کو وہ سمجھنے کا تجربہ  
اور مشاہدہ زندگی کی الجھنوں کا دریافت کئے کا ایک طریقہ ہے۔ اس لیے :

وہ زندہ ہم ہیں مکمل رہدشناس خلق انہی

نہ تم کہ چور بنے عجب عباداں کے لیے

خلق کی روشناسی کے لیے محفل کی عھو زوادی، فراویا کی کوہ کنی، منصور کی مٹولی اور  
اقرب کا صبر و یقرب کا گریہ و درکار ہے۔ جب تک درد برداری کی ٹھوکریں اور نشیب و فراز کا  
مشاہدہ اور سرد و گرم روزگار کا تجربہ ہو اُس وقت دنیا کی کو دور دورا حقانیتیں بصیرت  
و تجربہ کی دو معیتیں آدمی کو آدمی اور انسان کو انسان بناتی ہیں۔ ہر آدمی انسان نہیں بن سکتا —  
غالب ایک منزل آگے بڑھا۔

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں

جی خوش پہا ہے راہ کو پُر خار۔ بیکھ کر

رج سے جو گرہ ہوا انسان تو مٹ جاتا ہر رخ

مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

کوئی میرے دل سے پوچھے تیرے تیر نکیش کر

یہ غش کہاں سے ہوتی ہو چکر کے پلہ ہوتا،

غم اگر چہ جا بجا گل ہے پنچیں کہاں کہ دل ہے

غم عشق گرتہ ہوتا، غم روزگار ہوتا



اور افسانہ غم عشق یا غم روزگار نے یہ حوصلہ بخشا کہ :



نفس میں مجھ سے رُوداد چمن کہتے نہ دُورِ مہم دم !  
 گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آتشیاں کہیں ہو  
 کیا غمِ نوار نے رُسوا، لگے آگ اس جھت کر  
 نہ لادے تاب جو غم کی وہ میرا داغ داں کہیں ہو  
 تابِ غم نے جگر داری بخشی، جگر داری نے فکرِ سود و زیاں سے بندہ ترک کر دیا، وصیتِ طرف  
 اور فروغِ نظر عطا کیا :

دل ہر قطرہ ساز انا بحسب  
 ہم اس کے ہیں ہمساز چھنا کیا  
 قلم و اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن  
 ہم کر تفسیلِ تنکِ ظرفی منصفیہ نہیں  
 جز نام نہیں صورتِ عالم مجھے نظر دے  
 جز وہم نہیں، سستی اشیاء سے آگے  
 ہوتا ہے نہاں گردیں صحرائے بخت  
 گھستا ہے جیسے خاک پہ دریا جسے آگے  
 بقدرِ ظرف ہے ساقیِ ہمارے تشنہ کا ہی بھی  
 جو تُوڑ دیا ہے ہے تو میں خمیازہ ہل سلسل کا

ساحل کا یہ پھیلاؤ، گشتِ زار و میدان سے جوتا ہوا، خیال و تصورات کی پہنائیوں  
 میں گم ہو جانا ہے۔ گشتِ گل کا یہ پہلو دوسروں کو جس تجربے کے لیے آمادہ کرتا ہے اور سلسلہ  
 فکر و نظر، جدوجہدِ علم و عمل کا آغاز ہوتا ہے :

ستانہ طے کروں بڑوں رہِ وادیِ خیال  
 تا باز گشت سے نہ رہے مدعا سمجھے

گر تجھ کو ہے یقین ایسا بت دے مانگ  
یعنی بغیر یک دہلے بے مدعا مانگ  
ہنگامہ زبونی بہت ہے انفعال  
ماہل نہ کیجے دہرے بہت ہی کیوں نہ ہو  
ہے کہاں حمت کا دوسرا قدم یا رب!  
ہم نے دشت اسکاں کو ایک نقش پایا  
زندگی جدت پسندی، نئی قدروں کو لگانے کا تیرہ پیغام انقلاب آفرین، آسودگی  
سے ڈرانے اور لاشعور کو شعور میں بدل دینے کی تعلیم ہے:

نہ ہو گا یک یا باں ماندگی سے ذوق کم میرا  
جواب موجز رفتار ہے ذوق مت دم میرا  
یک بار امتحان ہر کس بھی ضرور ہے  
مے جوڑ عشق، بادۂ صبر آزلہ مجھے  
دوق ہستی ہے عشق عازد ویراں ساز سے  
انجن بے شمع ہے، گر برق خرمن میں نہیں  
ایک ہنگامہ پر موقوف ہے گھر کی رونق  
نور غم ہی ہے، نفسہ شادی نہ مہی  
ہے ننگ سینہ دل اگر آتش کدہ نہ ہو  
ہے عار دل نفس اگر آذر قشاں نہ ہو

دلیان غائب پڑھنے والے جانتے ہیں کہ اس دفتر شعر سخن میں ”ورائے شاعری، فکر  
و نظر کی فراوانی ہی اس کی عمر بیت کا راز ہے۔ حقائق شناسی، بحثوں کا پھیلاؤ، جھڑپوں کی توسیع  
اصل کا اطلاق، برتری کا عرفان، توانائی کی قیمت کا تعین، رزم نگاہ حیات میں جنگ آزمانی کی پیغیب

معدل انقلاب و حرکت کی طرف توجہ کا اعطاف، حسرت کو مسرت سمجھنے کا میلان، فریب و سبقت کا انکشاف، حلقہ دام خیال کے پھیلنے کا حال، عشق و زہم کا ربط، اشک و رشک، موت و حیات، رفتار و پرواز، جنون و تماشا، جلوہ و نقش کا ایک عالم ہے۔ مہر الی وسعت، دیا کا گہراؤ، سیلاب کا زور، آفتاب کی حرارت، آئینہ خلع کی حیرت آفتاب، بہار و خزاں کے فکر انگیز نکات و رموز کا گنجینہ ہے بہا ہے۔ لوگوں نے اس کا نواہر سے یا قوت و الماس ہیرا اور پتا، زمرد اور پکھراج، نیلم اور بھور، فیروزہ اور عقیق الگ الگ کر کے ہوا ہر خانے بنائے ہیں۔

ظہیر الدین علوی نے ”اشک و رشک“ کے نام سے ایک کتابچہ پیا تو خیال کو مبہر ملی۔ اور کس نے اپنی بیاض انتخاب غائب کا نام ”نقش ہائے رنگ رنگ“ اور ”آئینہ خانہ“ لکھا۔ خورشید الا سلام نے ”غالب“۔ ابتدائی دور میں ایک غمیر لکھا۔ اس ضمیمہ میں غالب کے ابتدائی اشعار کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ حلیم کرنے کی کوشش کی ہے کہ مرزا نے ابتدائی شاعری میں کون کون سے الفاظ اور ان کے تکرار سے بار بار استعمال کیے ہیں چنانچہ اس مقصد کے لیے :

”رفار“ پر سات — ”دیا“ پر تیرہ — ”موج“ پر تیرہ — ”پرواز“ پر سات — ”شرق“ پر سترہ — ”جیش“ پر چھ — ”جنوں“ پر پندرہ — ”تمنا“ پر سولہ — ”سمی“ کے ذیل میں تین — ”تماشا کے عنوان سے سولہ — ”جلوہ“ بائیس — ”نقش“ کے عنوان سے گیارہ — ”بزم پر گیارہ — ”سیلاب“ پر چار — ”بیاباں“ سے مربوط سات شعر — ”دشت و صحرا“ بارہ — ”ویرانی“ آٹھ — ”آئینہ“ اُنچاس — ”شمع“ تین — ”شعلہ“ پندرہ — ”برق“ سات — ”آتش“ سات — ”ثلو“ چھ — ”چراغ“ پر چار — ”دو“ چار — ”تمش“ دس — ”گداز“ چار — ”میتابی“ پانچ — اور

”کنا کش“ پر دہ شریعتین مصرے، اس طرح دوسرے عناوین کے ذیل میں بھی کچھ مصرعے نقل کیے ہیں۔

خود شید الاسلام صاحب نے غالب کے فطری ملامتوں کے استعمال سے متعلق ذہنی رجحان کا سراغ لگایا ہے۔ پروفیسر ظہیر الدین صاحب نے معنوی خوبیوں اور خیال کی پہلو داری کو سامنے رکھا ہے۔ ”مرد و غالب“ اسی قسم کی ذرا قنوع پیش کش ہے، آپ اس کتاب کو دیوان غالب کی شعری تہذیب بھی کہہ سکتے ہیں اور فنی تجزیہ کا ایک تحفیلی تجربہ بھی۔ فضل مولف نے اس تجزیہ اور تجربہ کے نتائج تحریر کرنے سے پہلوتہی کی ہے۔ اُن کے خیال میں اس عمل کے نتائج قہقہہ کرنے سے دوسروں کے حق پر قبضہ نہ ہجائے گا۔ ممکن ہے کوئی فلسفی اس عمل سے فلسفیانہ مسائل کا استخراج کرے۔ اور نفسیات کا عالم نفسیاتی بحث میں امداد حاصل کرے۔ شاعر کو شعری فوائد کا خیال آئے اور نقاد کو اس کے کام کا مواد مل جائے۔ فرد و معاشرہ پر کام کرنے والے اس سلسلے کے معاملات تلاش کریں۔ اور ذہنی قوتوں کو ناپنے والے اپنے پیمانوں سے کام لیں۔

غالب کے عاشق غالب کے خدو خال دریافت کریں۔ اور اردو ادب کی وسعتوں کا جائزہ لینے والے زبان و بیان کے پیرایوں پر کام کرنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ کریں۔ اسی وجہ سے میں نے ہر مجموعہ شعر کے نیچے اپنے کلمے برائے فوٹ حذف کر دیے جس کا مجھے افسوس تو ہے مگر کتاب کے مزاج میں دخل دینا بھی گوارا نہ ہوا، اگرچہ محترم مولف کی طرف سے اجازت بل کی تھی۔

۱۷۔ جون ۱۹۳۹ء جمعہ ۱۹ جمادی الاول ۱۳۶۹ھ کو میں نے اس قسم کا مطالعہ قلمبند کر لیا تھا لیکن اس پر نظر ثانی اور ترتیب کا کام باقی تھا۔ اس کے بعد اُن دنوں کتابت غالب میں الجھ گیا، محو ہندی کی ترتیب سے فارغ ہوا تو کلیات فارسی کا کام شروع کر دیا۔ اس سے چھٹی بل تو اُن دنوں سے محض زیرِ تسلیم ہے۔ دو ایک مضمون لکھے تھے شوق غالب اور آئینہ

”غالب اور مشیر“۔ یہ مضمون چھپے اور بس!

سرود غالب میں چند صفحات میں نے اپنی سابقہ محنت کے شریک کیے ہیں۔ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ ایسے عناوین اور بھی تلاش کیے جاسکتے ہیں۔

سرود غالب جسے میں ”عشر خیالی“ کہتا ہوں، ایک بڑا ذخیرہ جستجو ہے۔ اسس فافوس رنگارنگ سے اگر ذریعہ نظر حاصل ہو جائے تو محنت کا ہر گئی۔

جناب شیخ مبارک علی صاحب کو غالب سے عشق ہے۔ ”دیوان غالب“ پر جناب چغتائی کے نقشِ اول و ثانی کو انہوں نے بڑی قدردانی کے ہاتھوں سے لیا اور اربابِ ذوق تک پہنچایا۔ اور ”صد سالہ برسی“ کے موقع پر پھر پُرانا ایڈیشن حاصل کر لیا ہے۔ انہوں نے احمد علی سلمہ کو اس ناقدِ بری کے باوجود کلیاتِ فارسی چھاپنے کا حکم دیا جو اپنے ردِ اجتماعی انداز میں شائع ہوا۔ ”سرود غالب“ بھی شیخ صاحب، غفلت کی نگاہِ انتخاب میں قابلِ قدر ہے اور ہر صاحبِ ذوق جناب یوسف بخاری کی محنت کو قابلِ داد سمجھے گا۔ اس کے ساتھ ہی ایک اور ادبی پیش کش اور غالب کے دیوانِ اُردو کی شرح چھاپی ہے اور وہ ہے جناب شاد آں بنگرامی مرحوم کی کاوشِ تحقیق و نظر۔

مجھے یقین ہے کہ محنتی و معزز احمد علی شیخ سلمہ کی یہ کوششیں ادبی حلقوں میں گراں اورز قرار پائیں گی +

غلام  
رفیق حسین غامیس  
۲۰ ستمبر ۱۹۶۶ء



محشرستانِ خیال

سرودِ غالب

ترجمہ

سید یوسف بخاری دہلوی





## حرفے چند

لُہو زبان کے عظیم ترین اور زندہ جاوید شاعر مرزا غالب کے کلام پر متعدد شری میں بے شمار تنقیدیں اور اُن کی سیرت و سوانح پر اُن گنت مقالات تحریر ہو چکے ہیں۔ ہر چیز بار بار گفتگو یا بحث و تمحیص کا موضوع بن چکی ہے۔ جب صورتِ حال یہ ہو تو ظاہر ہے کہ ان نگارے ہر نئے نئے لوگوں کو پھر قلمبہ بنا کر کوئی معنی نہیں رکھتا۔ آخر اس کوہ کندن اور کاہ بر آوردن سے فائدہ، لیکن بقول غالبؒ

ہے آدمی بجائے خود ایک محشرِ خیال

انسان کا دماغ و حقیقت تصورات کی ایک آماجگاہ ہے اور تصورِ حسن بجائے خود ایک حسن ہے۔ اگر سلامت فکر حاصل ہو تو کوئی نہ کوئی حسین خیال مٹو بھر ہی جاتا ہے، اور پھر دل و دماغ کی عریث اس خیالِ حسن میں حسنِ عمل کا رنگ پیدا کر کے اُسے اور بھی نکھارتی ہے۔

قدرت نے غالب کو ایک ذہنِ راسخ عطا کیا تھا۔ اُس کے افکار ذہنی کسی طرح بھی ایک محشرِ خیال سے کم نہ تھے۔ شعر کے اور لوازم و خصوصیات کے علاوہ غالب کے کلام میں عین جذبات کے ساتھ ساتھ تنوعِ خیال کی جو کیفیت نظر آتی ہے، اُس کی مثال کہیں اور دینا اگر حال نہیں تو ذرا ضرور ہے۔ ”سکونِ غالب“ میں اسی تنوع اور پرتو نقش خیال کو واضح کیا گیا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ تدلول و دیوان کے جملہ اشعار کو اُن کے مرکزی خیال

کے مطابق ایسے جامع عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے جو قرن قیاس اور ممکن ہو سکتے ہیں  
 پہلا سمجھیے کہ اس لالہ زار کے گلہاٹے رنگا رنگ کی جدا جدا تختہ بندی کی گئی ہے جو بلا امتیاز  
 رنگ و بو ہر سمت اور ہر گوشے میں کھلے ہوئے ہیں۔ جس دیدہ و درک نرگس کی تلاش ہو، وہ  
 تختہ نرگس میں پھلا جائے، جو گل آب کا ترشہ ہر وہ تختہ گل میں پہنچ کر سیلاب بہ جائے،  
 چشم نیگیں چاہے تو سایہ ناک میں ہو، شراب سے مخمور ہو سکتی ہے، کوئی افسردہ  
 دل ہے تو کنزل کو دیکھ لے، شب و درہ ہے، معلوم نہیں اے بھی آئیں گے یا کچھ دیر میں:  
 وہ کسی وقت بھی آئیں، پنبہ بارش اور ستر ناز کے لیے موتیا بھی پھولی ہوئی ہے اور یارین  
 کی کلیاں بھی بے گل ہیں، نغمہ گل بھی ہے اور نالہ عندلیب بھی۔

افترض شعر و سخن کے اس چمن میں حسن و جمال، محبت و عشق، عشرہ و ناز، رشک و  
 رقابت، تما و حسرت، سوز و غم، ہجر و فراق، سودا و جنوں، نغمہ اشک، ذوق لذت  
 آزار، ناکامی و محرومی، شکوہ، شک، شکوہ دُنیا، خودداری و خود شناسی، وجود و عدم،  
 عرفان و توحید، درس فنا، تقدیر و تاءیر، ذوق معصیت، پند و موعظت اور مدح و  
 منقبت ذرا دیکھیے تو سہی کیا کیا ہے اور کیا نہیں ہے؟

کی مستیاں چمن میں ہیں جو ش بہار سے  
 ہر شاخ گل سے ہاتھ میں مانگیے جھٹے

مشتے نمزدیر چند اور دیگر وہ تمام عنوانات جو صوم و حور غالب کی زینت ہیں،  
 غالب کے خاص موضوعات بنتی ہیں۔ ہر صاحب ذوق اپنے منک و حقوق کے مطابق  
 اپنا پسندیدہ موضوع، موضوع کے لحاظ سے عنوان اور عنوان کے ماتحت غالب کے  
 تخیل کی رنگ آرائیاں اور طلسم کشائیاں دیکھ سکتا ہے۔ کوہ کندنی کے بعد صرف ہی ایک  
 پرکاہ ہاتھ آیا ہے۔

دائم نے جو عنوانات قائم کیے ہیں، ان سے یہ مقصد و نثار نہیں ہے کہ



ہر اہل نظر اور صاحب ذوق کے اپنے ہی مذاق اور مروجہ فہم پر منحصر ہے۔ اس دشواری کا اندازہ ذیل کی دو مثالوں سے لگایا جاسکتا ہے:

(۱) بعض اشعار ایک سے زیادہ معانی کے حامل تھے۔ اس لحاظ سے ایک ہی شعر دو دو یا تین حصے مقامات پر ترقی تین تین عنوانات کے تحت لانے کے لائق تھا، لیکن اس تقسیم میں قیامت یہ تھی کہ ایک ہی شعر بار بار کئی جگہ درج ہوتا، اور یہ تکرار عنوانات میں تضاد کا باعث بنتی اور اس عنوان کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔

(۲) بعض اشعار اپنے معانی کے لحاظ سے جدا جدا ایسے عنوانات کے طالب تھے جن کے ذیل میں ایک یا دو اشعار ہی آ سکتے تھے۔ مجبوراً باستغناء چند ان اشعار کو ایسے عنوانات میں سموننا پڑا جو کسی نہ کسی اعتبار سے ان کے ساتھ چسپاں ہو سکتے تھے۔ ورنہ عنوانات کی تعداد ضرورت سے زائد اور ان کی جامعیت منقود ہو جاتی۔

جہاں تک تضاد اور قصائد کے ابیات کا تعلق ہے چونکہ وہ بیک وقت مختلف مضامین یعنی تشبیہ، تکرید، مدح یا بھج اور اختتام یا عرض مدعا پر مشتمل ہوتے ہیں لہذا ہم نے غزلیں کے درمیان آنے والے تہنیتی اور مدحیہ اشعار اور جملہ قصائد کو محدود کے اسم کی وضاحت کے ساتھ ”تہنیت“ اور ”مدح“ کے عنوانات کے ذیل الگ الگ درج کیا ہے۔ یہ عمل انہی ضروبی تھا، ورنہ تمام ابیات مختلف عنوانات کی نذر ہو جاتے اور قصائد کا شیرازہ بھج جاتا اور نظاں ہر سہ کے یہ کوئی مناسب بات نہ ہوتی۔

مثنویات، قطعات اور رباعیات کے باب میں بھی کم و بیش اسی التزام کو نظر رکھا گیا ہے یعنی اول ترتیبات مختلف تنزیلات کے درمیان آتے ہیں ان کے ابیات کو اس منزل سے نکال کر تھلے کی عمرات کے ساتھ اس کے متعلقہ عنوان پر جگہ دی ہے۔ بانی دو تمام مثنویات، قطعات اور رباعیات پر دیان متداول کے مختلف نسخوں کے آخرین باب رضیہ

کلام شامل ہیں، انہیں نفسِ مضمون کی بنیاد پر علیحدہ مناسب عزائمات کے تحت لایا گیا ہے۔ اور یوں جملہ قصائد، شذوہیات، قطعات اور رباعیات کو اپنے اپنے مقامات پر جوں کا توں قائم اور دیوانِ متداول کی اصل ترتیب کو سالم اور برقرار رکھا ہے۔

اس نسخے کی ترتیب کے وقت راقم کے سامنے ایک نہایت اہم مسئلہ اشعارِ غالب کی عبارت اور الفاظ کی صحت اٹلا کا بھی تھا۔ آخر میں جمیع کہ کتابیات سے واضح ہو گیا، میرے مطالعے میں دیوانِ غالب کے قدیم و جدید فوارشورت اور چار بلا شرح جلد تیرہ نسخے تھے۔ میں نے ان تمام نسخوں میں اشعار کی تعداد، عبارت اور بعض الفاظ کے اطلاق میں کچھ نہ کچھ فرق نہ پزیر پایا ہے۔ آخر کار مطالعہ اور غور و فکر کے بعد دیگر محاسن اور خصوصیات سے قطع نظر میں نے جدید نسخہ عرضی کو الفاظ و اطلاق کے اعتبار سے صحت، وضاحت اور حرفِ اول و آخر پایا۔ یہی وجہ ہے، اس نسخے میں زیر عنوان تصحیح شدہ اشعار اسی دیوان سے لیے گئے ہیں اور وہی علامات و قرائن سامنے رکھی ہے۔ اس کے علاوہ طائر ایڈیشن کو متداول دیوان کے طور پر استعمال کیا ہے۔ چنانچہ یہاں کہیں حواشی میں نسخہ طائر ایڈیشن کا حوالہ ہی سے گامیہ نہ کران، اشعار کا ماخذ نسخہ طائر ہی ہے۔ میرے نزدیک ان نشانات کی افادیت یہ ہے کہ دورانِ مطالعہ اگر ناظر غالب کسی شعر سے متعلق غالب کی پوری غزل سے محفوظ ہونا چاہے تو نسخہ عرضی یا متداول نسخوں میں سے جو نسخہ بھی اس کے پاس موجود ہو وہ نہایت آسانی سے نکال کر دیکھ سکتا ہے۔

اشعار کے معنی اور معنیوں کے ضمن میں راقم نے ایک ایک شعر کے لیے مختلف شرحوں کا مطالعہ کیا ہے بلکہ اس موضوع پر میں بعض نقادینِ سخن کے نقد و تبصرے سے بھی مستفید ہوا ہوں۔ اس تعاقبی مطالعے کے بعد یہ تجزیہ کر سکا ہوں کہ کون سا شعر کس عنوان کی زینت بن سکتا ہے۔

لے چونکہ فارسی میں صرف یہی معروف ہے اور اردو میں اسے معروف و مجمل میں فرق کر دیا گیا ہے، لہذا ایسے مقامات پر میں نے نسخہ عرضی کا اطلاق نہیں کیا ہے۔ (مرتب)

یہ حرفہ اخلاص حسن بھیجے۔ دیوان غالب کو موجودہ صمدت میں لانے کا خیال میرے  
 دماغ میں ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس سے کوئی دو سال قبل میری سب سے پہلی تالیف  
 ”موتی“ شائع ہو چکی تھی۔ یہ ”موتی“ دراصل مجموعہ ہے کئی سوچیکھانہ اور شاعرانہ اقوال کا جن  
 کو میں نے اپنے طویل مقصد سے ساتھ اخلاقی اور ادبی نقطہ نظر سے مختلف موزوں عنوانوں  
 کے تحت ترتیب دیا تھا۔ یہ کتاب دو مرتبہ چھپ چکی ہے۔ مدعا یہ کہ اسی خیال کی برقی رونے  
 مجھے سرورِ غالب کا تصور بخشنا تھا۔ واضح ہے کہ سرورِ غالب اس نئے کامید  
 نام ہے۔ ابتدا میں میں نے اس کا نام اُٹھینے کا غالب تجویز کیا تھا۔ جیسا کہ اس کا اعلان  
 میری بعض تصانیف میں سے قائم کردہ مکتبہ جہاں نما، دہلی کی مطبوعات اور دیگر اداروں کی  
 فہرست کتب میں موجود ہے۔

الغرض ۱۹۳۶ء میں جب مجھے یہ خیال سُوجھا تو میں نے فوراً ہی اپنے اس خیالی  
 خاکے میں رنگ بھرنا شروع کر دیا۔ یہ خاکہ مکمل ہونے کے قریب تھا کہ سخت و اتفاق سے  
 ۱۹۳۷ء یا ۱۹۳۸ء میں مولانا آہسی بھٹنری مرحوم دہلی تشریف لائے۔ دلی مرحوم کے عربک  
 کالج میں ایک ادبی نشست میں اُن سے ملاقات ہوئی۔ شاید مرزا غالب ہی کا کچھ ذکر  
 تھا کہ باتوں باتوں میں آہسی مرحوم نے فرمایا کہ وہ غالب کے دیوان کو غزلیات کے تحت  
 ترتیب دے رہے ہیں اور اسے نول کشور، کھنڈر شائع کرے گا۔ چونکہ میں خود ہی کام کر رہا تھا  
 لہذا اس قرارِ خیال پر دم نہ خوردہ گیا۔ اُس وقت مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے ماہوسی نے میری  
 قیبت عمل کو مجھ سے چھین لیا ہو۔ میں گھر آیا، مسودے کو بیٹھا اور طاق میں رکھ دیا۔ کئی  
 سال تک یہ طاق نسیاں کی ذہنیت ہی بنا رہا۔ تا آنکہ ایک روز میں نے مولانا آہسی کی حلت  
 کی خبر بہت انوس کے ساتھ اخباروں میں پڑھی۔ معاً دماغ کے درمچوں سے ماضی کی یاد  
 جھلکنے لگی۔ کئی سال پہلے کی وہ بات یاد آئی جو آہسی مرحوم دیوانِ غالب کے متعلق مجھ سے  
 کہی تھی۔ میں نے فوراً ہی ایک خط نول کشور کو لکھا۔ اُن کا جواب آیا کہ آہسی مرحوم اس حلت

کا ایک مجموعہ ہم کو دینے والے تھے لیکن اللہ میں وہ اپنی زندگی میں اُسے عمل ذکر کے۔ آج بھی  
 میلے خیال ہے کہ اگر وہ خود آسمانی شائع ہو جاتا تو میرے اس نسخے سے بہت بہتر ہوتا۔  
 بہر فرسٹ اُن کی وفات کے بعد میں نے خیال کیا کہ شاید یہ قرینہ فال اسی دہانے کے نام  
 نکل چکا ہے میں دوبارہ اپنے نامکمل مسودے کی تکمیل میں مصروف ہو گیا۔ لیکن تقدیر میری  
 اس تدبیر پر اب بھی نہیں رہی تھی۔ میں مسودہ مکمل کر چکا تھا اور پریس کو دینے ہی والا تھا کہ  
 اچانک ۲۴ مارچ کا خونچکاں انقلاب برپا ہوا اور بے سان دنگان سارا نظام زندگی درہم  
 برہم ہو گیا۔ اس مسودے اور اثاثہ البیت کا تو ذکر ہی کیا جان بچانی شکل تھی۔ بہر حال  
 میں اکتوبر ۱۹۴۴ء میں کراچی آ گیا۔ یہاں آنے کے بعد جس بنگ میں مکتبہ جہاں ناء مالی  
 پبلشنگ ہاؤس اور مکتبہ خانہ علم و ادب کا سرمایہ مکتب پاکستان آرہا تھا وہ راہ میں فوٹ  
 بیگیا۔ اسی میں یہ مسودہ بھی تھا۔ مجبوری کا نام صبر ہے۔ غور کش ہو گیا لیکن بقول مرزا  
 غالب :

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار

لیکن ترسے خیال سے غافل نہیں رہا

وہ گمشدہ مسودہ اور اُس کا نقش خیال میرے دل و دماغ میں پھر کی کسیر کی طرح  
 نقش تھا۔ دن، ماہ و سال میں تبدیل ہوتے رہے۔ خدا خدا کر کے رہنے کا ٹھکانہ اور  
 بسر اوقات کے لیے روزگار نصیب ہوا تو دل و دماغ میں غالب کا تصور از سر نو اٹھوٹا  
 لینے لگا۔ آخر اپنے ان شدید ذہنی تقاضوں سے مجبوندہ کر ایک ترقی دہانے کے بعد میں نے پھر  
 قلم سنبھالا۔ مرگاں کو دعوت دی، جگر تختِ تخت کو جمع کیا۔ آج خدا کا شکر بھلاتا ہوں،  
 عجیبہ معافی سے غالب کے پارہ ہائے دل پیش کرتا ہوں :

کس طرح حسینِ دوست سے بے پردہ آشکار

مسد ہا حجابِ صورت و معنی لیے ہوئے

صورت ومعنی کے ان حجابات کو دور کرنے اور ان کی جلوہ نمائی میں نہیں ہیں بخدا گذار جاہوں  
سے گزرا ہوا، ان کا بیان بھی دشوار ہے۔ اس لیے میں مرزا غالب ہی کے اس شعر کو اپنا ترجمان  
بناتا ہوں :

فسد جام سخن گوئی غالب، تو گم م  
خوابِ جگر امت از دگِ گفتار کشیدن

مجھے اعتراف ہے کہ اس جنتِ نذر و نگر کی آراستگی میں میرے مخلص رفقا، جناب دہلوی  
صلاح الدین صاحب قریش، حضرت مولانا محمد زکریا مائی، جناب قیصر مراد آبادی اور جناب  
عراقیہ صاحب قادری نے مجھے بڑی مدد دی۔ تاسپاسی ہوگی اگر میں ان حضرات کا شکریہ ادا  
نہ کروں۔ میں اپنے دوست مولانا عجاز الحق صاحب قدوسی کا بھی محترم ہوں۔ اگر وہ اس مسودے  
کی تکمیل کے لیے بار بار شدید تقاضے نہ کرتے تو خدا چاہے یہ مسودہ کب تک معرضہ التوا میں پڑا  
رہتا۔

میرے ذریعہ خواب کی تعبیر تو بالکل آتی لیکن خدا ہی جانے میں اس نواسے سرور شاد و غنیمت  
معنی کے مسلم کی عقدہ کشتی میں کہاں تک کامیاب اور عہدہ برآ ہو سکا ہو۔

یوسف بخاری، دہلوی

بیت یوسف بخاری

۵-۱۲-۲۰ کے

ناہیم آباد

کراچی



# مَوَاجِ عِرْفَال

محرم نہیں ہے تو ہی نوا یا نئے راز کا  
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے سناز کا



| عنوان           | صفحه |
|-----------------|------|
| عرفان و توحید   | ۳۵   |
| حمد             | ۳۷   |
| نعت             | ۳۷   |
| منقبت           | ۳۷   |
| تصویر قبله      | ۳۷   |
| دعا             | ۳۸   |
| بارگاه شاعر     | ۳۸   |
| تعلی و خودستانی | ۴۰   |
| حرب و خیال      | ۴۲   |
| آئینه فطرت      | ۴۳   |
| جستارین         | ۴۳   |
| وحد و عدم       | ۴۳   |
| عالم عبرت       | ۴۵   |
| کرم و بخشش      | ۴۵   |
| زهد و تقوی      | ۴۵   |
| بهشت            | ۴۶   |
| مقدر            | ۴۶   |
| علاق و نیروی    | ۴۷   |

|    |                 |
|----|-----------------|
| ۴۸ | آرزوئے غراب     |
| ۴۸ | امید و یاس      |
| ۴۹ | ذوقِ نظم        |
| ۴۹ | ذوقِ محبت       |
| ۵۰ | ذوقِ نظم        |
| ۵۰ | حجاب            |
| ۵۰ | بے ثباتی        |
| ۵۱ | آشفستگی         |
| ۵۲ | خاکساری و قناعت |
| ۵۲ | درسِ فنا        |

## عرفان و توحید

یوں در نہ جو حجاب ہے، پر وہ ہے ساز کا  
جو دھڑکی کی بڑبڑی ہوئی، تو کہیں دو چار ہوتا  
ہم اُس کے ہیں، ہمارا پوچھنا کیا  
کیسے لڑکوں کا ہوا، دیدہ بیستا نہ ہوا  
کس سے ہر تہ کو، کام چشم بینا کا  
چاک کرتا ہوں، میں جب سے کہ گریباں بچھا  
ہم ہیں، تو ابھی راہ میں ہے سب گراں اور  
فروغ طالع خاشاک ہے موقوف گفن پر  
بنوڑ تیرے قصود میں ہے نشیب و فراز  
میں بھی ہوں ایک عینیت کی نظر کرنے کے  
ہیں چراغِ ان شبستانِ دلی پر وہ اندھم  
قدہ، بے پردہ تو خورشید نہیں

جتنا کہ دم غیر سے ہوں، چھ تاب میں  
حیراں ہوں، پھر مشاہد ہے کس حساب میں  
یاں کیا دھڑا ہے قطرہ و موج و حساب میں  
میں کتنے بے حجاب کہ یوں میں حجاب میں  
پیش نظر ہے آئینہ، دائم نقاب میں

محم نہیں ہے تو ہی، تو ہائے راز کا  
اُسے کون دیکھ سکتا، کہ یگانہ ہے وہ یکتا  
دلی ہر قطرہ ہے ساز، "انا البخر"  
قطرے میں دیکھا، نہ دیکھا، اور جُود میں گل  
ہنوز عسری حسن کو ترستا ہوں  
یک الف بیش نہیں ضیقِ آئینہ بنوڑ  
ہر چند سبک دست ہے، بُت شکنی میں  
فنا کو سونپ کر، شاق ہے اپنی حقیقت کا  
نہ ہر، نہ ہر نہ، یا باں نور و رسم و جود  
پر تو خود سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم  
باوجود یک جہاں ہنگامہ، پس دانی نہیں  
ہے، محبت تری سلمان و جود

آتا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُد ہے  
اصل شہود و مشاہد و مشہود ایک ہے  
ہے مشتمل نمود و محرکہ و جود و بحر  
شرم اک ادا تے ناچے، اپنے ہی سے ہوں  
آرایشِ جمال سے فروغ نہیں ہنوز

ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم چہرہ  
 شاہرہ ہستی مطلق کی کر ہے، عالم  
 قطرو اپنا بھی حقیقت میں ہے دنیا بیکس  
 تنگ تنگ کے ہر مقام پہ دو چارہ گئے  
 ہم بخت در ہیں، ہمارا کیش ہے ترک رسوم  
 از مہر تار و ذرہ دل و دل ہے آہ تنہا  
 نشو و نما ہے اہل سے، غائب فردرغ کو  
 ہے رنج لالہ و گل و نسیم، جدا جدا  
 مرا پائے تھم پہ چاہیے ہنگام بے خودی  
 یعنی، بحسب گردش پریم از صفات  
 کثرت آرائی و وحدت، ہے پرستاری و ہم  
 جبکہ تجھ بن نہیں کوئی موجود  
 یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں؟  
 شکن زلف عنبریں کیوں ہے؟  
 سبز و گل کہاں سے آئے ہیں؟  
 ہاں اہل طلب کون نے طعنہ نہایافت؟  
 کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے؟  
 ہر چند ہر ایک شے میں تڑپ ہے  
 بجز ہم نہیں صمدت عالم مجھے منظور  
 ہیں خواب میں ہنزد، جو جاگے میں خواب میں  
 لوگ کہتے ہیں کہ تھے، پر ہمیں منظور نہیں  
 ہم کو تعزید نہک طے فی منظر نہیں  
 تیسرا پتا نہ پائیں، تو ناچار کیا کریں  
 بقیں جب مٹ گئیں، اہل نے ایساں پر گئیں  
 طوطی کو کاشش جہت سے، دعا بل ہے ہنزد  
 ق خاموشی ہی سے نکلتے ہے، جو بات چاہیے  
 ہر رنگ میں بہار کا اشبات چاہیے  
 رُو مٹے قبلہ وقت ملاقات چاہیے  
 عارف، ہمیشہ مست رہتے فات چاہیے  
 کر دیا کا ضرر، ان اعناد خیالی نے مجھے  
 ق پھر یہ ہنگامز اسے خدا کیا ہے؟  
 غمزہ و عشوہ و آدا کیا ہے؟  
 نگہ چشم مرمہ سا کیا ہے؟  
 ابر کیا چیز ہے، ہنزا کیا ہے؟  
 دیکھا کہ وہ بجا نہیں اپنے ہی کو کھڑے آئے  
 بزدل چھوڑا ہے وہ اس نے کاتھا بنے  
 پر تھ سہی کوئی شے نہیں ہے  
 بجز وہم نہیں، ہستی اشیا مرمے آئے

باوجود یک جہاں ہنگامہ پیدائی نہیں

ہیں پراغان شبستان دل پر و نہ ہم

## حمد

کس مُندے شکر کیجیے اس لطفِ خاص کا  
ہے کائنات کو حرکت، تیرے ذوق سے  
ہے دُہی بدستی ہر قدرہ کا خود غدر خواہ  
بے گنجیِ حسن سے بے دلی نہ غالب  
پتے نذرِ کرمِ تجھ ہے شہِ مِ نارسائی کا  
بچر شش ہے اور پائے سخن دریاں نہیں  
پڑکے آفتاب کے فتنے میں جان ہے  
جس کے جلوے سے زمیں تا آسمان مشتاک ہے  
کوئی نہیں تیرا، تو، مری جان، خدا ہے  
بحرِ غلطیہ صدرِ نیک و عرونی پارسائی کا

## نعت

کس واسطے عزیز، نہیں جانتے مجھے؟  
رکھتے ہر دم قدم ہری آنکھوں سے کیوں دریغ؟  
کرتے ہر مجھ کو منع قدم کس کس سیلے؟  
معل و زمر و زرو گوہر نہیں ہوں میں  
مُتے میں ہر دواہ سے کمتر نہیں ہوں میں  
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

## منقبت

غالبِ ندیم دوستِ آتی ہر بُستے دوست  
مُشکین، بابر کعبہ علیؑ کے قدم سے جان  
امامِ ظاہر و باطن، امیرِ صورت و عصی  
کیا ختم ہے اُس کو جس کا علیؑ سا امام ہند  
مشغولِ حق ہوں، بندِ گاہِ بقراب میں  
نافِ زمین ہے، نہ کہ نافِ خندال ہے  
علیؑ ولی، اسدِ اقد، جانِ ششیمِ نئی ہے  
اتنا بھی اسے فلکِ زرد کیوں بے حواس ہے

## تصویرِ قبلہ

ہے پُرسے سرِ جرد اور اک سے اپنا مسجود  
قبیلے کو، اہلِ نظر، قبلہ نما کہتے ہیں

## دُعا

ہر دم شاہنشاہ میں اشار کا دست کھلا  
 حریف مطلب شکل نہیں، فسوں نیاز  
 گر چہ کوسے یقینِ امانت، دُعا نہ مانگ  
 غالب، وظیفہ خوار ہر دو شاہ کو دُعا  
 خضر سلطان کو رکھے، خالق اکبر سرسبز  
 شاہ کے ہے غلِ صحت کی خیر  
 رکھو، یارب، یہ درِ غنیمت کو ہر کھلا  
 دُعا قبول ہو، یارب کو ہر غنیمت درواز  
 یعنی بغیر یک دل سے دُعا نہ مانگ  
 وہ دن گئے جو کہتے تھے "تو کر نہیں ہوں میں"  
 شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھلے  
 دیکھئے کب دن پھر میں حمام کے

## بارگاہ شاعر

آگاہی و ادب شنیدن جس قدر چاہئے بھائے  
 دل حسرت زدہ تھا ماندہ لذتِ درو  
 وہی اک بات ہر جوانِ نفس، دلِ نکمہ گلِ ہر  
 یارب نہ بھیں میں نہ بھیں گے مری بات  
 پاتے نہیں جب راہ، تو چڑھ جاتے ہیں نالے  
 پاتا ہوں اُس سے داد کچھ اپنے کلام کی  
 تیرے توسن کو صعب باندھتے ہیں  
 ہمارے شعر ہیں اب صرف دل لگی کے اسد  
 گرفتاری سے فائدہ اخلائے حال ہے  
 دستاویز کی تنہا، نہ چیلے کی چر دا  
 ہے گستاخ و خاطرِ وابستہ در برین سخن  
 دُعا عطا ہے، اپنے عالمِ تحریر کا  
 کلام یادوں کا بقدر لب و دندان نکلا  
 چین کا جلوا باعث ہے مری رنگیں توانی کا  
 سنے اور دل اُن کو، جو سنے مجھ کو زبان اور  
 رکتی ہے مری طبع، تو جوتی ہے رداں اور  
 رُوح القدس اگرچہ مرا ہم زبان نہیں  
 ہم بھی مضمون کی ہوا، باندھتے ہیں  
 کھلا کہ فائدہ عرضِ ہنسہ میں خاک نہیں  
 خوش ہوں، کہ میری بات بکھتی محال ہے  
 گر نہیں ہیں برے اشعار میں معنی، نہ سہی  
 تھا طلسمِ قفسِ اجداد، خانہ مکتب مجھے



ہے، وشت طبیعت، محبہ، یاں خیز  
 حنین، فہم، وریغ، شمع، دور ہے، آمد  
 یہ درودہ نہیں کہ نہ پسیدہ کسے کوئی  
 پہلے دل گداختہ پسیدہ کسے کوئی  
 بہت در شوق نہیں، طرف، تگنا، غزل  
 کچھ اور چاہیے وصت، مرے بیاں کے لیے  
 میں چن میں کی گیا گویا دستاں کھل گیا،  
 بلیں، سن کہ مرے نالے غزلخواں ہو گئیں

غالب، اپنے اور اپنے شعر کے باسے میں جب بھی کچھ کہتے ہیں، اس میں ہندی اور انا  
 کی وہ حالت ہے جسے استفادہ کیجیے، اور انیت کیجیے، اپنے پر اعتماد کیجیے، خیر کہہ آؤ گئے کا  
 ارادہ کیجیے، سب بھاسے۔ وہ جلوہ چمن اور داد روح القدس کو تخلیق شعر کا سبب بنتے ہیں،  
 اس واسطے دستاں کی قتا ہے نہ مسئلے کی پردا، وہ تو صرف وصت، بیاں کے تہی ہیں اور  
 یہی قتا روانی طبع اور کشادہ خاطر و ایستہ بن گئی۔

نفسیاتی لحاظ سے ان شعروں میں شعور کی وہ ملاحظہ خیز حالت ہے جس میں زور زیادہ اور  
 شور کم ہے۔ اند ہی اندر بھینا مگر سطح کو بھرا اور پُر سکون رکھنا، چنگاری جیسی حرارت اور چمک  
 زمین انسان کی طرح اپنے آپ کو پچانا، دوسروں کے سامنے آنا مگر آئینہ کی طرح صاف اور  
 شفاف اور سادہ، دیکھنے والا چاہے تو اپنی صورت دیکھ کر خوش ہو جائے اور اگر غم کرے  
 تو شیش کی دباوت، جلا، جلوہ آؤتشی، نورانیت اور صفائے باطن دیکھ کر اُسے قیمتی اور گروہبار  
 سے بچانے کے لائق متاع عزیز سمجھے۔ یہ باتیں دل گداختہ و لاکجی کہتا ہے اور غالب کے  
 حضور میں بار پانے کی یہی شرط ہے۔

## تعلیٰ و خود ستائی

حقِ مغفرت کیسے عجب آزاد مرد تھا  
تجھے ہم دلی سمجھتے، جو نہ بادہ خوار ہوتا  
پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا  
اُسے پھر آئے، درِ کعبہ اگر گوا نہ ہوا  
آج غالب غزل سدا نہ ہوا

تربیا کی قدیم ہوں، دودِ حیرانِ کا  
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی تیر بھی تھا  
کہ رہے چشمِ خسریا پر احسانِ میرا  
تارکھ نہ سکے، کوئی مرے حرف پر انگشت  
بارے آرام سے ہیں اہلِ جفا، میرے بعد  
ہوئی معزولیِ اندازِ دادا، میرے بعد  
شعلہِ عشقِ سیہ پوش بڑا، میرے بعد  
اُن کے تاخنِ چہرے محتاجِ جفا، میرے بعد  
بگم ناز ہے نرے سے خفا، میرے بعد  
سہے کدیر لبِ ساقی پر صلا، میرے بعد  
چاک ہوتا ہے، اگر دیباں ہو دل، میرے بعد  
کہ کیسے تعزیتِ مہر و وفا، میرے بعد  
کس کے گھر جائیگا سیلابِ فنا، میرے بعد

یہ لاش بے کفن! اسدِ خستہ جاں کی ہے  
یہ سہاںِ تصوف، یہ تڑا بیانِ غالب  
دردِ قہر و غضبِ جب کوئی ہم سا نہ ہوا  
بندگی میں بھی وہ آزادہ و خود ہیں کہ ہم  
کچھ تو پر دیکھ کہ لوگ کہتے ہیں  
تازہ نہیں ہے، نقشہٴ فکرِ سخنِ مجھے  
رہنمائی کے تہیٰ استاد نہیں بڑا غالب  
سُرمزِ مفتِ نظر ہوں مری قیمت یہ ہے  
فلکھا ہوں اسد، سوزشِ دلِ سخنِ گرم  
شعشعہٴ غفر سے کشاکش ہے چھٹا میرے بعد  
منصبِ شینِ نعل کے کوئی، قابل نہ رہا  
شعشعہٴ جنتی ہے تو اس میں سے ڈھول اٹھتا  
خوں سے دلِ خاک میں احوالِ جہاں پر یعنی  
دردِ غمِ عرض نہیں، جو ہر سدا دکو، جیا  
گون ہوتا ہے حریف نے مرادِ گلنِ عشق؟  
ہے جنوں اہلِ جنوں کے لیے آغوشِ دُلع  
غم سے مر رہوں، کہ آتا نہیں دنیا میں کوئی  
اُسے ہے بے کسیِ عشق پر رونا غابت

لیکن عیسای طبع خسریہ اور دیکھ کر  
دیتے ہیں بادہ، طرفہ دست و خولہ دیکھ کر  
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور  
اسے درصفت! وہ زندہ شاہد باز

یہ بات بزم میں روشن ہوئی نازِ شمع  
رکھ بھجور میرے دھوی وار سستی کی شرم  
میرے دھوے پر یہ جھٹ ہے کہ مشہور ہے  
دیوانہ گر نہیں ہے، تو ہشید بھی نہیں  
کہ میں ہم ملیں کہاں؟ بزم میں وہ ہلکتے کیلے؟  
گفتہ غالب ایک بار ٹپکے کے آئے ناکارہ لیں  
جگر کیا ہم نہیں رکھتے، رکھ دیں جانے معدن کو  
سنگ سرب کے کیا چھپیں کہ ہم سرگرداں کیوں نہ  
تو پھر لے شکوہ تیرا ہی سنگ سہاں کیوں نہ  
فصحت کشا کش حسیم پنہاں سے گڑھے  
جانا کہ اک بزرگ ہیں ہم سفر بے  
تم کو کہیں جو غالب آشفتمہ سہے  
مفت ہاتھ آئے، تو رُز کیا ہے؟

جو لفظ کہ، غالب، مرے اشعار میں آئے  
اگر پہلے ہی کہے، تو جا میری بھی خالی ہے  
نکر آشفتمہ بیانی میری  
صفت اذراں ہے، مگر اتنی میری

پک ملتے ہیں ہم آپ متابع سخن کے ساتھ  
گرتی تھی ہم پر برق تجسلی، نہ طور پر  
ہیں اور بھی دُسیا میں خسور بہت اچھے  
اسد اللہ خاں تمام ہوا

نیاں اہل زبان میں ہے مرگ، خاکوشی  
وہ حلقہ ہائے زلف کہیں میں ہیں لے خدا  
ہوں ظہور ہی کے مقابل میں خزانہ غالب  
دیکھا اسد کو خلوت و خلوت میں بارہا  
واں وہ غرور و عزت و ناز، یاں یہ بھاپ پاس وضع  
جو یہ کہے کہ "رختہ کمر" کہہ مرگ شک فارسی؟  
سخن کیا کہہ نہیں سکتے، کہ جو یا ہوں جواسر کے  
وہ اپنی غرور چھوڑیں گے، ہم اپنی وضع کیوں بلیں  
دفا کیسی؟ کہاں کا عشق، جب سر بھڑکنا ٹھہرا  
تم کو بھی ہم دکھائیں کہ محبتوں نے کیا کیا  
لازم نہیں کہ خفتہ کی ہم پیروی کریں  
اے ساکنانِ کوچہ دلدار! دیکھنا  
میں سے مانا کہ کچھ نہیں غالب  
گنجینہ معنی کا طلمس اُس کو سمجھے  
تغافل دوست ہوں، میرا دماغ بجزِ عال ہے  
کیا بیاں کر کے مراد میں گئے یار؟  
قدِ سنگ سہرہ دکھتا ہوں

ہلاری دید کر خواب زنجب عاری تر ہے  
 سیرتے اس کے کرا شفتہ سر سے، کیا کہیے؟  
 جہاں ہم ہیں وہاں دار و درن کی آزمائش ہے  
 اک بات ہے اعجازِ سحرا، مرے آگے  
 مجنوں کو بُرا کہتی ہے لیلہ، مرے آگے  
 غالب کو بُرا کہیں کہو، اچھا، مرے آگے  
 کس قدر غارت آئینہ ہے ویراں مجھ سے  
 یقین ہے ہم کو بھی، لیکن اب اس میں دم کیا ہے؟  
 دستِ تر سنگِ آندہ، پیمانِ وفا ہے  
 شاعر کو وہ اچھا ہے، یہ بدنام بہت ہے  
 صلائے عام ہے، یارا، نکتہ دار کیے

ابھی آتی ہے برباش ہو اسکی زلف مشکیں کی  
 کہا ہے کس نے کہ غالب بڑا نہیں، لیکن  
 قد و گیسو میں، قیس و کو کم کن کی آزمائش ہے  
 اک کھیل ہے اور اک سیدھاں ہرے نزدیک  
 عاشق ہوں، یہ معشوقِ فریبی ہے مرا کام  
 ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہے میرا  
 عنقِ عشاق، نہ ہر سادگی آموزِ بیک  
 سخن میں غارتِ غالب کی آتش افشانی  
 مجھ پر دو دھڑلے گرفتاری لغت  
 ہو گا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے  
 اور اسے خاص سے غالب ہر اے نکتہ سرا

## حریمِ خیال

جب آنکھ کھل گئی، نہ زیاں تھا، نہ مود تھا  
 دلِ افروزہ گویا، جھوٹے نقشے نذرِ آ  
 غلہ کا ایک درہے میری گور کے اندر کھلا  
 عرش سے ادھر بہتا، کلاشکے، مکان اپنا  
 بجلوہ ریزی باد، و یہ پر نشانیِ شمع  
 ہیں و درق گردانیِ نیرنگ یک بتخانہ ہم  
 شربِ غارت کے دیوار و در میں خاک نہیں  
 آئینہ دار بن گئی حیرتِ نقشِ پاک یوں

تھا، خواب میں، خیال کو تجھ سے متبادل  
 ہنوز اک پر تو نقشِ خیالِ یار باقی ہے  
 ہے خیالِ سخن میں سخنِ گل کا سا خیال  
 منظر اک، بندی پر، اور ہم بنا سکتے  
 تیرے خیال سے روحِ امتر از کرتی ہے  
 مصلیٰ برہم کہے ہے، گنجہ بازِ خیال  
 خیالِ جلہ، گل سے خواب ہیں سے کش  
 کب مجھے کوستے یار میں پہننے کی وضع یاد تھی؟

ہے آدمی بجائے خود اک عشبِ خیال  
ہاتھ دھو دے، یہی گرمی گرا نہ بیٹے میں ہے  
ہم انجن سمجھتے ہیں، غلط ہی کیوں نہ ہو  
ایکینہ، تند ہی صہبا سے پگھلا جاے ہے  
دیار بادہ، حوصلہ ساقی، نگاہ مست  
بزمِ خیال، مسکندہ بے خروش ہے

## آئینۂ فطرت

ایک قدرہ زمیں نہیں بے کار، بارش کا  
برودے شمسِ چہت، دیر آئینہ باز ہے  
یاں مادہ بھی، قبیلہ سے لالے کے دار کا  
یاں امت یا زناقص و کمال نہیں رہا  
قدرہ قدرہ، ساغرِ میخانہ، شیرِ نگ ہے  
گردشِ مجنوں، پریشانک ہلے لہلا آشنا  
غافل، بزمِ ناز، خود آرا ہے، ورنہ یاں  
بے شاد، عصب نہیں، طرہ گیلو کا

## ضدین

لغات بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی  
ضعف سے، گرمیہ شہل بزمِ سد ہوا  
چمن، رنگار ہے، آئینہ باور ہادی کا  
باور آیا، میں پانی کا بڑا ہر جاننا  
مقصود ہے ناز و غرہ کے گفت گو میں کا،  
چلتا نہیں ہے، دشنہ و خنجر کہے بغیر  
ہر چند ہر مشاہدہ حق کی گفت گو  
بنق نہیں ہے، بادہ و ساغر کہے بغیر  
تصاف بل ہے، مقابل میرا  
رک گیب، دیکھ روانی میری

## وجود و عدم

نقش، فریادی ہے کس کی شوخیِ حسیر کا  
میں عدم سے بھی پسے ہوں، ورنہ، غافل، باردا  
کاغذی ہے پیر، ہر سیکرِ قصیر کا  
میری آہ، آتشیں سے بالِ خفا بل گیا  
برقِ تعمیر میں ضمیر ہے، اک صورتِ خرابی کی  
ہیولی برقِ خرمن کا ہے، خوب گرم و مہماں کا

سدا پارہی عشق و ناگزیر اُفت بستی  
 دھاک کھڑا تو خدا کا کچھ نہ ہوتا، تو خدا ہوتا  
 نہ گلِ نفس ہوں نہ پردہ ساز  
 غم بستی کا آئندہ کس سے ہو بزرگ، علاج  
 قید بستی سے رہائی معلوم  
 قید حیات و بند غمِ اہل میں دونوں یکساں ہیں  
 جتا ہے فوت فرصت بستی کا غم کوئی  
 بستی کے مت فریب میں، سب تو آئندہ  
 بری بستی، فضا کے حیرت آباد قنا ہے  
 اپنی بستی ہی سے ہو جو کچھ ہو  
 کلاہ کا بستی میں لالہ، داغ ساماں ہے  
 کش کش ہائے بستی سے کرے کیا بھی آواز؟  
 بستی، ہماری اپنی فضا پر دلیل ہے  
 ہاں، کھا تو مت فریب، بستی  
 بستی ہے، نہ کچھ عدم ہے غالب  
 کوہ کے ہوں بارِ خاطر، گر صدا ہو جائیے  
 بیشمار، ننگِ بالِ و پر ہے کچھ نفس

عبادتِ حق کی کرتا ہوں ادا و قسوس حاصل کا  
 ڈوبا کچھ کو ہونے سے نہ ہوتا میں، تو کیا ہوتا  
 نہیں ہوں اپنی ہشکست کی آواز  
 شمع ہر رنگ میں ملتی ہے، سحر ہونے تک  
 اشک کو بے سرو پا بانٹتے ہیں  
 موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے گیوں  
 عمر عزیز، صرف عبادت ہی کیوں نہ ہو  
 عالم تمام، حلقہ دارِ خیال ہے  
 جسے کہتے ہیں نالہ، وہ اسی عالم کا غنا ہے  
 اہ گہی گر نہیں، غفلت ہی سبھی  
 برقی خرمین راحت، غنم گرم دھماں ہے  
 ہوئی زنجیر، موجِ آب کو، فرصتِ روانی کی  
 یاں تک سے کہ آپ ہم اپنی قسم ہونے  
 ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے  
 آخر تو کیا ہے لئے نہیں ہے  
 بے تکلف، لئے شہزادہ جتے، کیا ہو جائیے  
 از سر نو زندگی ہو، گر رہا ہو جائیے

لئے پرتو خورشیدِ جہاں تاب، ادھر بھی  
 سائے کی طرح، ہم پر عجب وقت پڑا ہے

## عالمِ عبرت

اہلِ نیش کو ہے، طوفانِ حوادث، محنت  
نظمِ موج، کم از سیلِ استاد نہیں  
یہ رات بھر کا ہے ہنگامہ، صبح بچتے تک  
لے رکھو نہ شمع پر، اسے اہلِ انجمن، نیکہ  
ہے عدم میں، غنیمت، عجزِ عبرت، انجامِ گل  
یک جہاں زلفِ تامل، در قفا سے خند ہے

## کرم و بخشش

وصحت بھی کرم دیکھ، کہ سرتا سرِ خاک  
گزنے سے ہے آبلہ پا، ابرو بربار ہنوز  
بجھ کو پوچھا، تو کچھ غنیمت نہ ہوا  
میں غریب اور تو غریب نواز  
بنا کر فقیروں کا، ہم بھیں غائب  
تماشا ہے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

## زہد و تقویٰ

زُتارِ باندھ، سبجہ صد دانہ توڑ ڈال  
رہز چلے ہے، راہ کو ہموار دیکھ کہ  
طاقت میں تامل ہے نہ سنے داغیں لگاں  
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو  
ہوں مخرف نہ کیوں رہ درمِ ثواب سے  
میر لھا لگا ہے قطر، قطرِ سرفراز  
جانتا ہوں ثوابِ طاقت و زہد  
پر طبیعتِ ادھر نہیں آتی  
کیا زہد کہ مانوں کہ نہ ہو گرسہ ریائی  
پاداشِ عمل کی طبعِ خام بہت ہے  
نمزم ہی پر چھوڑو، مجھے کیا طوفِ حرم سے  
کودہ پر سنے، جامہٴ احرام، بہت ہے

## بہشت

ساتھ کر رہے نہ لہا اس قدر جس بارغِ رضوان کا  
کوئی دنیا میں مٹو بارغ نہیں ہے، واعظ  
ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت، لیکن  
وہ اک گلہ ہے ہم بخودوں کے حلقِ نسیاں کا  
خود بھی بارغ ہے، خیرِ آب و ہوا اور بھی  
دل کے خوش رکھنے کو غالب، یہ خیال اٹھالے

## مقدر

جُنِ قیس، اور کوئی نہ آیا بروئے کار  
کس سے خودی قیمت کی شکایت کیجے  
یہ نہ تھی ہماری قیمت کو سالِ یار ہوتا  
نام کامیہ سے ہے، جو دکھ کہ کسی کو نہ ہلا،  
زخمِ گردِ ب گیا، لہو نہ تھا  
تم سے بے جا ہے مجھے اپنی تب ہی کا لگا  
جھوٹے قیمت میں ہری، صورتِ قفل، بجد  
کہتے ہو: 'کیا لکھا ہے جریِ سز و شت میں؟'  
سید گل کے تلے بند کیسے ہے، گھنچیں  
جہاں میں جو نسیم و شادی ہم میں کیا کام؟  
غالب کچھ اپنی معی سے ہوتا نہیں مجھے  
خوشی کیا نکیت پر میرے اگر سوا بارِ ابر آوے؟  
صحرا، مگر، حسن کی چشمِ حسودیت  
ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں اسودہ بھی نہ ہوا  
اگر اور جیتے رہتے، یہی انتظار ہوتا  
کام میں میرے ہے، جو فتنہ کہ میرا نہ ہوا  
کامِ گردِ گیب، رُود نہ ہوا  
اُس میں کچھ شائبہِ خوبیِ تقدیر بھی تھا  
تھا لکھا، بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا  
گوا، جیسے پہ سجدہ بُت کا نشان نہیں  
شرذہ، اسے مرغ، مگر گلزار میں صیت نہیں  
دیا ہے ہم کو دلانے وہ دل کہ شاد نہیں  
خونِ جلے، اگر نہ تلخ کھاسے کشت کو  
بجھتا ہوں کہ دھونڈے ہے ابھی برقی نہیں کو



بھاگے تھے ہم بہت، سو اسی کی سڑ ہے یہ  
 مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دُور دُور  
 مجھے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا  
 ہوا ہے، کلاٹ کے چادر کو، ناگہاں غائب  
 ہم اور تم، فلک پیر جس کو کہتے ہیں  
 پسیکیر عشاق، سازِ طالعِ ناساز ہے  
 اُس انجمنِ ناز کی کیا بات ہے غائب  
 تھانے تھا مجھے چاہا خوابِ بادۂ اُلفت  
 خواب تھا، پہلے سے جرتے جرم اپنے بدخواہ  
 اند، خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھیل گئے  
 میرے غمِ غنہ کی قسمت جب رقم بچنے لگی  
 کیا کیا حقیر نے سدا سدا سے  
 دکھا کرے کوئی احکامِ طبعِ نمونہ  
 ہے تھر تھرا گراب بھی نہ بنے بات کوئی  
 ہرگز امیر نہایتے ہیں راہِ سندن کے پافر  
 تن سے سوا فگار ہیں اس خستہ تن کے پافر  
 وہ شخص دن نہ کہے رات کو، تو کیوں کر ہو  
 اگرچہ زانو سے تل پر رکھے، دمن، تنکے  
 فقیرِ غالبِ مسکین کا ہے کبھی تنکے  
 نالو گویا، گردِ خشِ ستارہ کی آواز ہے  
 ہم بھی غمے داں اور تری تقدیر کو روکائے  
 فقط "خواب" دکھا، بس نہ چل سکا قدم گئے  
 کہ بھلا چاہتے ہیں، اور بُرا ہوتا ہے  
 کہا جو اُس نے "درا میرے پاؤں اب تو نے"  
 دکھ دیا منجملہ اسبابِ ویرانی مجھے  
 اب کہے رہ سنا کرے کوئی  
 کسے خبر ہے کہ وہاں جنبشِ سدا کیا ہے  
 افکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے

## علاقہ دیوی

بنا، حاصلِ دل بستگی فراہم کر  
 متاعِ خانہ زنجیر، مجھ صدِ معلوم  
 نگہِ دنیا میں سد کھپاتا ہوں  
 میں کہاں اور یہ وہاں کہاں؟

۱۵۷ طاہر ایڈیشن ص ۶۳، نسخہ عرشی، حصہ سوم، یادگارِ نادر ص ۳۰۳

۱۵۸ طاہر ایڈیشن ص ۶۶، نسخہ عرشی، حصہ سوم، یادگارِ نادر ص ۳۱۲

دشتِ ابد کو، تو کب رات کو فوں سے خبر سوتا  
 رہیے اب ایسی جگہ مل کر جہاں کوئی نہ ہو ق  
 سبے درد و دوا رسا رک گھر بنایا چاہیے  
 پر سبے گریہ و زاری، تو کوئی نہ ہو تیسرا راز  
 سبے صوفہ ہی گذرتی سبے ہو گریہ و غم  
 بڑوس گل کا قصور میں بھی کھٹکا نہ رہا  
 دیکھ کر درپردہ گرم دامنِ افشانی سمجھے  
 رہا کھٹکا نہ چوری کا دُعا دیتا ہوں بڑوس  
 ہم سخن کوئی نہ ہو، اہم زبان کوئی نہ ہو  
 کوئی ہمسایہ نہ ہو، اور پاسباں کوئی نہ ہو  
 اور اگر مر جائیے، تو فوجِ خواں کوئی نہ ہو  
 حضرت بھی گل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کیے  
 عجب آرام دیا سبے پرو بالی نے مجھے  
 گر گئی دباستہ تن میری عمر بانی نے مجھے

## آرزوئے خواب

فوں دامِ بختِ بخت سے یہ غلبہ بخش دے  
 موت کا ایک دن معین ہے  
 وہ آگے خواب میں تسکینِ فطرانے دے  
 غالب یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کریں  
 نیند کیوں رات بھر نہیں آتی  
 دس بجھے پیشِ دلِ مجالِ خواب تو دے

## امید و یاس

یاس و امید نے یک عریہ میدانِ مانگا  
 بسد یک عرو درع، بار تو دیتا، بائے  
 میں ملود دلِ آرزو کی یاد سے خوش ہوں  
 نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ  
 کس سے ہم کو بیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے  
 آہ کو چاہیے ایک عمر اثر ہونے تک  
 آگ ہم اپنی پریشانی خاطر اُن سے  
 عجزِ بہت نے فلسفہ دلِ سائلِ بانہا  
 کاش! وضو اُن ہی دیرِ یار کا درباں ہوتا  
 یعنی، سبقتِ خرقِ مکرر نہ ہوا تھا  
 اگر شراب نہیں انتظارِ ساغر کھینچ  
 متاعِ بڑہ کو سمجھے ہونے ہیں قرضِ رہزن پر  
 کون جیتا ہے، تری دلف کے سر پر نہ تک  
 کہتے جلتے تو ہیں، پرو دیکھیے کیا کہتے ہیں؟

کہتے ہیں، "مجھے ہیں امید ہے لوگ" ہم کو جیسے کی بھی اُمید نہیں  
 گشتِ گل میں عالم ہستی سے یاں ہے تسکین کو توید کہ مرے کی آس ہے  
 مجھ سے مت کہہ تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی کوئی صورت نظر نہیں آتی  
 کوئی اُمید بر نہیں آتی نصیر مرے یہ ہم جس کی اُمید  
 نبھانے دے مجھے اے نا اُمیدی کیا قیامت کدواں خیال یار چھوڑا جائے ہے مجھے

## ذوقِ نظر

نشے ہے جنور گلِ ذوقِ تماشا، غالب چشم کو چاہیے ہر رنگ میں ڈا ہو جانا  
 نہیں گر سرورِ برگ اور اک حسنی تماشا نے نیرنگ صورتِ سلامت  
 چلتا ہوں تھوڑی دُور ہر اک تیز رو کے ساتھ پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہِ بس کو نہیں  
 در سرِ عنوانِ تماشا، برتنا غلِ خوشتر ہے، نگارِ رشتہ شیرازہ مگر گال مجھ کو  
 وہ داد و دیدِ گراں مایہ شد طے ہے ہمد لہ و گردِ مہرِ تسلیمان و جامِ وجہ کب ہے  
 کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سلجواں آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

## ذوقِ معصیت

دیرانے معاصی مُنک آبی سے ہر اشک میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہ ہوا بھٹ  
 آتا ہے دایرِ حسرتِ دل کا شمار، یاد مجھ سے مرے گئے کا حساب ہے خزانہ مانگ  
 جب کہمِ رخصت ہے باقی دُستِ خانی دے کوئی تقصیرِ بجزِ خجالتِ تقصیر نہیں

حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے  
بقدر حسرت دل چاہیے، ذوقِ صافی بھی  
ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی سڑے داد  
آخر گناہ گار ہوں کافر نہیں ہوں میں

## ذوقِ نغمہ

جاں کیوں نکالے گئی ہے حق سے دم ہلائے؟  
ڈھونڈے ہے اُس مفتی آتشِ نفس کو، جی  
گر وہ صدا سنائی ہے چنگ و رباب میں  
جس کی صدا، ہر جگہ برقی فضا ہے مجھے

## حجاب

فاکر دیے ہیں شوق نے بند نقابِ حسن  
بلا سے ہیں جو یہ پیشِ نظرِ در و دیوار  
غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا  
نگاہِ شوق کو ہیں بال و پیر، در و دیوار

## بے ثباتی

حنائے پائے خزاں ہے، بہارا اگر ہے بھی  
ہوئی مدت کہ غالب مر گیا، پر یاد آتا ہے  
بزمِ قدح سے عیشِ قنارہ رکھ کر نہ گم  
اقصوسِ اکر و دناں کا کیا رزقِ خاک نے  
لرزتا ہے میرا دل، زحمتِ مہر و نیشاں پر  
یک آن نظرِ بیش نہیں، فرصتِ ہستی، غافل  
ہے کس قدر ہلاک فریبِ وفا نے گل  
جو تھا، سو مہرِ رنگ کے دھوکے میں مر گیا  
دوامِ کلفتِ خاطر ہے، عیشِ ذیبا کا  
دہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا؟  
عیدِ زدامِ حبس ہے، اس دامِ گاہ کا  
جن لوگوں کی، تھی حدِ خودِ عقدِ گہر، انگشت  
میں ہوں وہ قطرہِ شبنم کہ ہو خارِ بیاباں پر  
گر جی بزم ہے، اک قصہ شہرِ مجسم نے تک  
بیل کے کاروبار پر ہیں خندہ بیلے گل  
اے دامنے نازِ لبِ غنیمت نے گلے گلے

غزوة اور حج بنائے عالم اسکاں نہ ہو  
 رُو میں ہے نیشِ عمر کہاں دیکھیے تھے  
 رنگِ تمکینِ گلِ دلالہ پریشاں کیوں ہے  
 ہیں زوالِ آمادہ اجزا آفریش کے تمام  
 تیری فرصت کے مقابل لے لے عمر  
 یار تھیں ہم کو بھی رنگِ بزمِ آرائیاں  
 رفتارِ عمر قطع رہا فطرب ہے  
 عشرتِ صحبتِ خواباں ہی غنیمت سمجھو  
 بازِ حیرتِ اطفال ہے 'دُنیا' مرے ہاتھ  
 عرضِ نازِ شوخیِ دُعاں برائے خند ہے  
 تاکجا، اسے لگی رنگِ تماشا بافتن ؟  
 عالم، غبارِ رحمتِ معنوں ہے، سرِ لبِ سر  
 تلاء، سوا یہ ایک عالم و عالم، کفِ خاک  
 آئید سیلابِ طوفانِ صدفائے آب ہے

اس ہندی کے نصیبوں میں ہے لہجہ ایک دن  
 نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پاسے کاباں  
 گر چہ لہجہ غنیمتِ سیرِ مہرِ زیاد نہیں  
 ہر گر دوں ہے چپ داغِ رگِ زلزلہ بلایاں  
 برق کو پا بر حننا باغِ حتمے ہیں  
 لیکن اب نقش و نگارِ باقی نہیں پر نہیں  
 اس سال کے حساب کو برقِ آفتاب ہے  
 نہ ہوئی، غائب، اگر طرِ مسیحا نہ سہی  
 پر تاسے شب و روز تماشا مرے آگے  
 دعویٰ جمعیتِ احبابِ جانے خداں ہے  
 چشمِ داگردیدہ آفرشِ دوارِ جلوہ ہے  
 کب تک خیالِ طرستہ لٹا کرے کوئی؟  
 آسماں، بیفتہ قمری نظر آتا ہے مجھے  
 نقشِ پا جوکان میں دکھتا ہے لنگل جالکے

## اشفتگی

اشفتگی نے نقشِ سید کیا درِ مرمت  
 محبت تھی جس سے، لیکن اب یہ یادِ باغی ہے  
 شب کو برقِ سبزِ دل سے زمرہء برکت تھا  
 باغ میں مجھ کو نہ لے جا، در نہ میرے حال پر  
 شرحِ اسبابِ گرفتاریِ خاطر مت پڑھو  
 ظاہر ہوا کہ داغ کا سہرا یہ دود تھا  
 کہ صبح بڑے گل سے ناک میں لٹکے میرا  
 شعلہ ہوا کہ ہر یک حلقہ گوداں تھا  
 ہر گل تر، ایک چشمِ حُسنِ شاں ہر جانے گا  
 اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا

لب خشک در تشنگی مرو گل کا      زیارت کدہ ہوں دل آلود گل کا  
 ربط یک شیرازہ وشت ہیں اجڑائے بہار      سینہ بیگانہ، صبا آوارہ گل نا آشنا  
 بر گلاب کاغذ آتش زرد، نیرنگ بیانی      ہزار آئینہ دل باندھے ہے بالیکہ تپدین پر  
 نہ اتنا برش مخ جف پر ناز فدا      مرے ریتے بیانی ہیں، اک معج خن وہ بھی  
 آئے آتی تھی حال دل پر ہنسی      اب کسی بات پر نہیں آتی  
 پیش سے میری وقف بخش ہر تار بہتر ہے      ملا سر روچ بالیں ہے، مراقن بار بہتر ہے  
 سر شگ بہ بصر ادا دہ، قورعین دامن ہے      دل بدست دہا افتادہ، بزودا بہتر ہے

## خاکساری قناعت

نادرشہنشاہ نام خاکستر نشینی کیا کہوں      پہلوئے اندریشہ، وقف بہتر سنجاب تھا  
 رات دن گردش میں ہیں سات کہلاں      ہوا ہے گا کچھ نہ کچھ، گھبراؤں کیا؟  
 اور بازار سے لے آئے، اگر ٹوٹ گیا      ساجر جسم سے راجا جام سفال اچھا ہے  
 ہوا ہے شہ کہ صاحب پھیرے ہو اترانا      وگردہ شہر میں غالب کیا، بڑو کیلے  
 نے تیر کیاں میں ہے، زعتیاد رکیں میں      گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

## درس فنا

ٹھکانا کفن نے داغ عیوب برہنگی      میں درز، ہر لباس میں نگ وجود تھا  
 حق کو، عویز فنا، بہت دشوار پسند      سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آسان نکلا  
 تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا      اڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زود تھا

نظریں سب جھادی جاواں راہِ الفت غالب  
 ہر سس کو ہے نشاط کا کر کیا کیا  
 مگر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ  
 عشرتِ خطو ہے، دریا میں فت ہوجانا  
 رہا اگر کوئی تاقبِ مست سلامت  
 فنا تعلیم درسِ بیخودی ہوں اس زمانے سے  
 کرے ہے، صرف با میلے خطہ، قصہ تلم  
 سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نفسیاں پرگشیں  
 غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں  
 مقدور ہو تو خاک سے پوچھیں کہ اسے لیم  
 ہو چکیں غالب، بلائیں سب قدام  
 قطرہ دریا میں جو مل جلتے تو دریا ہر جانے  
 پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہل شوق کا  
 غفلت، کنفلِ عمر و اسد، ضامن نشاط  
 وہ زندہ ہم ہیں کہ یوں دشنامیں خلق اسے غفر

کہ یہ شیلزہ ہے عالم کے اجزلے پریشاں کا  
 نہ ہو مرنے کا جیسے کا مزا کیا  
 مر گئے پر، دیکھیے دکھلائیں کیا  
 درد کا سد سے گزرنا ہے دوا ہوجانا  
 پھر اک روز مرنا ہے حضرتِ سلامت  
 کہ بھرتی لام الف لکھا تھا دیوارِ دبستان پر  
 بطورِ اہلِ فتن ہے، فنا خزانِ ختم  
 خاک میں کیا صورتیں ہر گئی کہ، پہل ہر گتیں  
 روئے زار زار کیا، کیجیے ہاتے ہاتے کیوں  
 قوتے وہ گنج ہاتے گراں مایہ کیا کیے  
 ایک مرگ ناگہانی اور ہے  
 لام اچھا ہے وہ جس کا کہ مال اچھا ہے  
 آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے  
 اسے مرگ ناگہان، تجھے کیا انتظار ہے  
 نہ تم کہ چور بنے عمر جاواں کے لیے





# شمع ہدایت

دیکھو مجھے جو دیدہٴ عبرتِ نگاہ ہے،  
میری سُنو، جو گوشِ فصاحتِ نیرش ہے



| صفحه | عنوان        |
|------|--------------|
| ۵۹   | پند و نصیحت  |
| ۶۰   | مقام انسانیت |
| ۶۰   | تقلید رسوم   |
| ۶۱   | تعلیق خاطر   |
| ۶۱   | رازِ عشق     |
| ۶۲   | حُسن تدبیر   |
| ۶۲   | حُسن عمل     |
| ۶۲   | حُسن طلب     |
| ۶۳   | حق شناسی     |
| ۶۳   | صاف گوئی     |
| ۶۳   | بار احسان    |

|    |                |
|----|----------------|
| ۶۴ | تشکر و امتنان  |
| ۶۴ | فقدانِ بہت     |
| ۶۴ | عُشاء          |
| ۶۴ | ہوا و ہوس      |
| ۶۵ | قَسَد          |
| ۶۵ | بُغض و حسد     |
| ۶۵ | تہمت و بدگوئی  |
| ۶۵ | آفات و آلام    |
| ۶۶ | غُرُبت         |
| ۶۶ | شکوہ فلکِ مانہ |

## پند و نصیحت

شورِ پند نامح نے رحم پر نک چھڑا  
حضرت نامح گراویں دیدہ و دل فرخ راہ  
یہ کہل کی دوستی ہے کہہنے میں دوست  
فائدہ کیا؟ سوچ، آخر تو بھی دانا ہے اسد  
میں بھی رنگ رنگ کے نہر تاجور زبان کہے  
رندانِ درمیکدہ گستاخ ہیں زائد  
لے تازہ دادوان بساطِ ہراسے دل  
دیکھ مجھے جو دیدہ عسرت نگاہ ہے  
ساقی، بجلوہ دشمن ایمان و آگہی  
یاشب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط  
لطفِ خرام ساقی و زونِ صدف چنگ  
یا معبودم ہو دیکھیے اکبر، تو ہم میں  
دارغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی  
آتے ہیں غیب سے یہ ضامین خیال میں  
صحبتِ رندان سے واجب ہے حذر  
زبکہ مشق تماشا، جنوں علامت ہے  
برویح و تاب ہوسں سلکِ عافیت مت ٹر  
جو مدھی بنے اس کے نہ مدھی بنے  
نہیں نگار کو اُفت نہ پر، نگار تو ہے

آپ سے کوئی پوچھے: تم نے کیا مزا پایا؟  
کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھا دیں گے کیا  
کوئی چارہ ساز ہوتا، کوئی عشم گسار ہوتا  
دوستی ناداں کی ہے جی کا زباں ہو جائے گا  
دشمن اک تیز سا ہوتا میرے غمخوار کے پاس  
زنہار! نہ ہونا طرفِ ان بے ادبوں کے  
زنہار! اگر تمہیں ہوسں تاؤ فوش ہے  
میری شہرِ عمو گوشِ نصیحتِ نیروش ہے  
مُطرب! بنو موزنِ تسکینِ ہوش ہے  
دامانِ باغبان و کفِ گلِ فشرش ہے  
یہ جنتِ نگاہ وہ فشرِ دس گوش ہے  
نہ وہ سُورہ و سوزِ دہوش و خروش ہے  
اک شمع رہ گئی ہے، سوزہ بھی خروش ہے  
غالب، مر میرِ خامہ، قولے سروش ہے  
جاسے اپنے کو کھینچا چاہیے  
کشاد و لبثِ خرّہ، سیلِ ندامت ہے  
نگاہِ عجبِ سرِ شہتِ سلامت ہے  
جونا سزا کہے، اُس کو نہ سزا کہیے  
دو رانیِ روش و مستی ادا کہیے

نہیں بیمار کو فرصت نہ ہو، بہار تو ہے  
 نہ سحر، گر بُرا کچھ کوئی  
 روک لو، گر غلط چلے کوئی  
 کون ہے جو نہیں ہے عاجز و ناتوان  
 غالب بُرا نہ مان، جو واقف بُرا کچھ  
 فرات چمن و غربی اور اکیسے  
 نہ کہو، گر بُرا کیسے کوئی  
 بخش دو، گر خطا کرے کوئی  
 کس کی حاجت روا کرے کوئی  
 ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں ہے

## مقامِ انسانیت

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا  
 ہیں آج کیوں ذلیل، کہ کل ناکستھی پسند  
 تم پر بُت پھر تھیں پندار خدائی کیوں ہے؟  
 نسو و نقد دو عالم کی حقیقت معلوم  
 یونہی دکھ کسی کو دینا نہیں خوب، ورنہ کہت  
 آدمی کو بھی مٹس نہیں انسان ہونا  
 مستانِ قمر شہ، ہماری جناب میں  
 تم حُسنِ اوندھی، کہلاؤ، حُسنِ اوردھی  
 لے لیا مجھ سے مری تہمتِ عالی نے مجھے  
 کہ مرے حُسن کو یارب، ملے میری زندگانی

## تقلیدِ رسوم

تیشے بغیر نہ سکا کوہ کن، اسد  
 گوئیں نقاش یک مثال شیریں تھا اسد  
 غلامش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار  
 عشق و فرود ری محشر تو، کیا خوب  
 بضرِ تیشہ وہ اس واسطے ہلاک ہوا  
 کہ ضربِ تیشہ پہ رکھا تھا کوہ کن، تیشہ  
 سرگشتہ خمارِ رسوم و قیود تھا  
 سنگ سے سر مار کر ہوش نہ پیدا آشنا  
 کیا ہو جتا ہیں اُس بُتِ بیدار کو کویں  
 ہم کو تسلیم، نگو تا ہی خسرو نہیں  
 کہ ضربِ تیشہ پہ رکھا تھا کوہ کن، تیشہ

۱۔ طاہر ایڈیشن ص ۶۳، نسخہ عمری، حصہ سوم، یادگارِ نالہ ص ۳۱۱

۲۔ طاہر ایڈیشن ص ۶۳، نسخہ عمری، حصہ سوم، یادگارِ نالہ ص ۳۲۳

خدا کے واسطے پروردہ نہ کہتے سوائے اٹھاؤ اور غلط نہ کہیں ایسا نہ ہو یاں بھی وہی کا فرم منہ ملے  
ہیں ابلیخ خدا کو کس روش خاص پر تازاں؟ پاسبان کی رسم و رسم عام بہت ہے

## تعلق خاطر

یہ غزل اپنی اچھے جی سے پسند آتی ہے آپ  
دارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں ہو  
قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے  
یار سے پھیر چلی جائے اسد  
گروں نہیں پہ والے کھلے ہنسنے تیر ہیں  
سے دلیف شعر میں غالب، زمیں تکرار دوست  
کیجئے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو  
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی ہوتی  
گر نہیں وصل تو حسرت ہی ہوتی  
کہتے سوائے ان تہوں کو بھی نصیب کی دور کی

## راز عشق

نہ کہہ کسی سے کہ غالب، نہیں زلف نے میں  
لاب تمکین، فریب سادہ دلی  
کھنک کسی پر کیوں مرے دل کا معاملہ؟  
گرچہ ہے طرز تعارف، پروردہ راز عشق  
بے غوری بے سبب نہیں غالب  
دوستی کا پردہ ہے بے گانگی  
در پردہ انہیں غیر سے ہے واسطہ نہانی  
حسرت لیب راز محبت، گھر درد و دیوار  
ہم ہیں اور راز ہائے سینہ گذار  
شعر میں کے انتخاب نے راز کیا مجھے  
پر ہم ایسے کھنکے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے  
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے  
منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے  
ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردا نہیں کرتے

لے نسخہ سرخی میں یہ شعر شامل نہیں ہے،

## حُسن تدبیر

سیکھے ہیں مرنوں کے لیے ہم مصدق  
تقریب کچھ تو ہر سہرہ ملاقات چلیے  
چاہیے اچھوں کو، چننا چاہیے  
یہ اگر چاہیں، تو پھر کس چاہیے  
شادی سے گزر کر غم نہ رہو سے  
اُردی جو نہ ہو، تو دے نہیں سہے  
یہ باعثِ فوری در بابِ ہوس ہے  
غالب کو بُرا کہتے ہر اچھا نہیں کرتے

## حُسنِ عمل

تجھے پہانہٴ راحت کے انتظار، اسے دل !  
تجھے پہانہٴ راحت کے انتظار، اسے دل !  
صفا سے حیرت آئینہ ہے سامانِ زندگی آخر  
تغیر اک پر جا ماندہ کا، پاتا ہے رنگ آخر  
بس جو ہم نہا امید، خاک میں مل جائے گی  
یہ جو اک لذت بہاری سچی بے حاصل میں ہے  
ہم سخن، بیشے نے فریاد کو شیریں سے کیا  
جس طرح کا کہ کسی میں ہر کمال اچھا ہے

## حُسنِ طلب

بہل ہوں میں، تو چاہیے دونا ہر التفات  
سنا نہیں ہوں بات، مکتہ رکے بغیر  
غالب، ذکرِ حضور میں تو عرض بار بار  
ظاہر ہے تیرا حال سب اُن پر کہے بغیر  
خیر، تا شگفتہ کو دودھِ مسمت دکھا کر یوں  
ہوسے کو پوچھتا ہوں میں، سنو مجھے بتا کر یوں  
تم جافو، تم کو غم سے جو دم و راہ ہو  
مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گستاہ ہو  
غالب، اگر اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں  
حج کا ثواب تندر کروں گا حضور کی





## حق شناسی

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی ' حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا  
چشت و شیفۃ اب مرثیہ کہو یہ شاید ' مرگ غالب آشفۃ فوا کہتے ہیں  
غالب ' اپنا یہ عقیدہ ہے قبولِ ناسخ ' آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

## صاف گوئی

جی میں ہی کچھ نہیں ہے ہلکے ' وگرنہ ہم ' سر جاتے یار ہے ' نہ رہیں پر کچے بغیر  
رکیر ' غالب ' مجھے اس تلخ فوانی میں صاف ' آج کچھ قدہ مرے دل میں سوا ہوتا ہے

## بارِ احسان

ہوں تو سے وعدہ نہ کرنے میں راضی کہ کبھی ' گوشِ منت کش گلہ بانگِ تسلی نہ ہوا  
دردِ منت کشیں دوا نہ ہوا ' میں نہ اچھا ہوا ' بُرا نہ ہوا  
غیر کی منت نہ کھینچوں گا ' بے توقیرِ درد ' زخمِ خنجرِ قاتل ' ہے سر تا پا ملک  
ربیعِ نویمِ سدِیِ حبا وید گوارِ رہبر ' خوش ہوں ' گر نالہ زبونی کشِ تاثیر نہیں  
ڈالانے کسی نے کسی سے معاملہ ' اپنے سے کھینچتا ہوں ' تجالت ہی کیوں ہو  
ہنگامہ زبونی بہت ہے ' انفعال ' مائل دیکھے دہرے ' عبرت ہی کیوں ہو  
صدِ جلوہ رو برو ہے ' جو مرگھاں اٹھائیے ' طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے  
ہے منگ ' پر باتِ معاشِ جنوںِ عشق ' یعنی ہر منت لفظِ اٹھائیے  
دیوار ' بارِ منتِ مزدور سے ہے حشم ' اے خاناںِ غرابِ نہ ہاں اٹھائیے  
بے طلب دیں تو خزاں اُس میں سوا ملتا ہے ' وہ گوارا جس کو نہ ہر خونے سوال اچھا ہے

## تشکر و امتنان

پائے افکار پر جب سے تجھے رحم آیا ہے خار رہ کو ترے ہم مہمہ گد گیا کہتے ہیں  
اُڑتی پھر رہے ہے خاک ہری کھٹے یار میں بائے اسلے ہوا، بوس بال و پر گئی  
دی برسے بھائی کو حق نے از سر نو زندگی میرزا دیوسف ہے غالب دیوسف ثانی مجھے

## فقدانِ ہمت

ضعف مجھ پر نے قناعت سے ترکِ جستجو ہیں بالِ نکیہ گاہِ ہمت مروانہ ہم  
رہا آباد عالمِ اہلِ ہمت کے نہ ہونے سے بھرے ہیں جہنمِ جام و کُبر، نجانہ خالی ہے

## خوشامد

ہے بزمِ بُستیاں میں، سخنِ آئندہ لبوں سے تنگ کئے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں سے

## ہوا و ہوس

فروغِ شعلہ محض، یک نفس ہے ہوس کو پاس ناموس وفا کیا؟  
کی اُس نے گرمِ سینہ اہلِ ہوس میں جا آوے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا امکان ہے؟  
ہر گویا لبوں نے حسنِ پرستی شعار کی اب آبروئے شمیمہ اہلِ نظر گئی  
اہلِ ہوس کی فتنہ ہے ترکِ نبرد عشق جو پاؤں اٹھ گئے، دُوبی اُن کے علم ہوئے  
غلتِ گبر ناموس نہ ہو، مگر پندِ ہوسِ زور کیوں شاہدِ گل، باغ سے بازار میں آوے



## قرض

قرض کی پٹے تھے لیکن بجھتے تھے کہا  
رنگ لئے گی ہلاری نا دوستی ایک دن

## بغض و حسد

گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دست لگھاؤں فریب  
حسد سے دل اگرچہ افشودہ ہے گریم تماشا ہو  
استیں ہیں دشنہ نہاں ہاتھ میں نشتر کھلا  
کہ چشم نگ شاہ کثرت نگار سے داہرہ

## تہمت و بدگوئی

ہم اور وہ بے سبب رنج آشناؤں کو لکھا ہے  
کی دفا ہم سے تو غیر اُس کو جفا کہتے ہیں  
شعار مہر سے تہمت نگہ کی چشم روزی پر  
ہوتی آؤں ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں  
جنوں تہمت کشیں نہ ہو گریسا دمان کی  
نک پاش غلاش دل ہے لذت زندگان کی

## آفات و آلام

کیا رہوں غربت میں غش بھو اوش کا خیال  
دام ہر مروج میں ہے معلقہ صد کاہم نہنگ  
نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ برا کشر کھلا  
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ نگہ بھونے تک  
حیراں ہوں دل کو دردوں کہ پٹیلیں جگر کو میں  
رنج سے خوں گرا ہوا انسان تو بڑ جاتا ہے رنج  
کس روز تہمتیں نہ تراشا یکے عذو؟  
غنچہ تماشا گفتہا، برگ عافیت معلوم  
پہاں تھا، دام سخت قریب آشیاں کے  
مقدور ہو تو ساتھ رکھیں تو حسد گر کو میں  
مشکلیں مجھ پر ڈریں اتنی کہ آسائیں نہیں  
کس دن ہمارے سر پہ نہ آدے چلائیے؟  
باوجود دل جمعی خواب گل پریشاں ہے  
اڑنے نہ پاسے تھے کو گریہ فدا ہم ہر سے

کہیں حقیقت جاں کا ہی مرض لکھے  
بکھری مصیبت : باہر ازنی دوا کیسے  
بکھی شکایت رنجِ عمر کی نشیں کچھے  
بکھی حکایت صبرِ گریزہ پا کیسے

## غربت

سرورِ بجوم دردِ غربتی سے ڈیلے  
وہ ایک شبتِ خاک کہ صحرائیں جیسے

## شکوہِ فلک و زمانہ

میں پہل اور افسردگی کی آرزو غالب کر دل  
ہے اب اس معمورے میں قحطِ غمِ الفت آمد  
ہم کہاں کے دانستے؟ کس ہنر میں بیکت تھے؟  
مجھ کو دیا غیہِ سر میں مارا، وطن سے دور  
تھی وطن میں شای کیا غالب کہ ہر غربت میں قلم  
لپٹنے پہ کر رہا ہوں قیاسِ لہلہ دہر کا  
کرتے کس منہ سے ہر غربت کی شکایتِ غلب  
زمانہ سخت کم آزار ہے بھائی اکسرد  
یارب! زمانہ مجھ کو کھٹکاتا ہے کسی لینے  
نہ جانوں نیک ناس یا بد چون پر صحبتِ مخالف ہے  
قص میں ہوں اگر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو  
ناچار ہے کسی کی بھی حسرتِ اٹھائیے  
کہوں کیا خبری اور اصرار ابنائے زمانِ غالب  
کچھ تو دے مے فلکِ ناانصاف

دیکھ کر طرزِ تیاک اہلِ ذیبا جل گیا  
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں بیٹے کھادیں کیا؟  
بے سبب ہوا غالب دشمنِ آسمان اپنا  
رکھ لی مرے خدا نے مری بکسی کی شرم  
بے تکلف ہوں چہ شبتِ خس کہ گلشن میں نہیں  
مجھا ہوں دلپذیر متاعِ ہنر کو نہیں  
تم کو بے مہری یارانِ وطن یاد نہیں؟  
وگرنہ ہم تو قریح زیادہ رکھتے ہیں  
دورِ جہاں پر حریفِ محترم نہیں ہوں میں  
جو گل پہل تو ہوں گلشن میں جو سن میں تو ہوں گلشن میں  
مرا ہونا بڑا کیا ہے، تو اسخیاں گلشن کو  
دشواری وہ دستِ ہم ہڈاں نہ چھوچھ  
بدی کی اُس نے جس سے ہم نے کی تھی بارائگی  
آہ دُسر یاد کی رخصت ہی سہی

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزرسے 'غالب  
 ملا زمانے نے 'اسد اللہ خاں' ہمیں  
 خستگی کا تم سے کیا شکوہ؟ کہ یہ  
 حسد 'منزل سے کہاں سخن ہے' کیا کہیے؟  
 وہ بھی کیا یاد کریں گے کوئی دارکتے تھے  
 وہ دلوں کہاں 'وہ جوانی کدھر گئی  
 ہٹکنڈ سے ہیں 'چرخ نیل فام کے  
 رستم 'بہائے متاع ہنر ہے' کیا کہیے؟  
 کٹے زبان 'تو خنجر کو مر حب کہیے'

1-77-2

## سوز و ساز

پٹنا پر نیاں میں شعلہ آتش کا آسا ہے  
وئے مشکل ہے حکمتِ دل میں سوزِ غم چھپانے کی





عنوان صفحہ

|    |                |
|----|----------------|
| ۷۳ | محبت و عشق     |
| ۷۴ | سوز و غم       |
| ۷۵ | تباہِ دل و بگر |
| ۷۶ | جذب و شوق      |
| ۷۷ | بارغِ آرزو     |
| ۷۹ | قوی لذتِ آثار  |
| ۸۳ | حدیثِ رشک      |
| ۸۶ | وسم و گمانی    |
| ۸۷ | آئینہٴ حسرت    |
| ۸۸ | بے خودی        |
| ۸۸ | حرفِ وفا       |

|    |             |
|----|-------------|
| ۸۹ | تسلیم و رضا |
| ۹۰ | بگڑ و شکوہ  |
| ۹۱ | طعن و تشنیع |
| ۹۲ | عشق کا مزاں |

## محبت و عشق

جرات تحفہ، امداد ارغوان، دارغ جگر پریہ  
عشق سے طبیعت نے زینت کا ہوا پایا  
دل میں ذوق وصل و یاد یاد تک باقی نہیں  
شوقِ بزرگ رقیبِ سر و سلاں نکلا  
ہر بچے میں سے دم ذکر، نہ بچے خواب  
بُبل کے کار و بار پہ میں خندہ ہائے گل  
پیشے میں عیب نہیں رکھیے زفر و کونام  
کیا کہوں بیاری غم کی فراغت کا بیان  
شوق ہے سامان طرازِ نازشِ اربابِ مجنن  
لو ہم بغضِ عشق کے تیسرار دار میں  
ذوقِ ہستی ہے عشقِ ناز و ویراں ساز سے  
البت گل سے غلط ہے دعویٰ وارستگی  
عشق تاشیر سے نوید نہیں  
قید میں یعقوب نے لی گونہِ یوسف کی خبر  
سایہ میرزا مجھ سے بھل دودھ بھاگے بے حسد  
رگِ تیل کو، خاکِ دشتِ جنوں، بیشکی بخشے  
چھوڑی اسد، نہ ہم نے گدائی میں دل لگی  
دل و دگر میں پراختاں ہوا ایک ہو جہِ جنوں ہے  
عشق کی راہ میں ہے چرخِ مکرب کی وہ چال

مبارکباد! اسد، غمِ خوار جانِ درد مند آیا  
درد کی دوا پانی، درد سے دوا پانی  
اگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا مل گیا  
قیس، تصویر کے پرشے میں بھی ٹرانا نکلا  
حمزہ کا قصہ ہوا، عشق کا چرچا نہ ہوا  
کہتے ہیں جس کو عشق، خلل سے دماغ کا  
ہم ہی آشفۃ سرون میں وہ جواں میر بھی تھا  
جو کہ کھایا خونِ دل، بے منت کیس کس تھا  
ذرا محرابِ دستگا، قطرہ دریا آشنا  
اچھا اگر نہ ہوتا تو مسیحا کا کیا علاج؟  
انجمن بے شمع ہے گریں غم میں نہیں  
سرو ہے باوصف آزادی گریں غم میں  
جاں سپاری، شجرِ سید نہیں  
لیکن ہنکھیں روزِ دیوارِ زنداں پر گزین  
پاس مجھ آتشِ بھاس کے کس کو ٹھہرائے ہے  
اگر بڑے بجائے دانہ، دہقان لکِ شتر کی  
سائل ہوئے، تو عاشقِ اہل کرم ہوئے  
ہم اپنے زعم میں سمجھتے تھے اس کو دم لگے  
سست نہ جیسے کوئی آبلہ پاہ تہ ہے

عشق نے غالب، محبت کر دیا  
 بگڑ گم سے اک آگ ٹپکتی ہے اسد  
 عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش، غالب  
 غم، آغوشِ بلا میں پرورش دیتا ہے عشق کو  
 بے پردہ سر نہ ہادی جستنوں گزرد کر  
 ورنہ ہسم بھی آدھی تھے کام کے  
 ہے چو غل، غصہ و غشا کی گستاخ مجھ سے  
 کہ لگائے دنگے اور بچھائے نہ بنے  
 چو بارغِ روشن اپنا، قلم صبر کا دریاں ہے  
 ہر ذرے کے نقاب میں دلی بیقرار ہے

## سوز و غم

نیتا ہوں، مکتوبِ غم دل میں، سبقِ ہنوز  
 دل مرا سوزِ نہاں سے بے جا باہل گیا  
 کم جانتے تھے ہم بھی غمِ عشق کو زریب  
 دُکھ رنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا  
 غم اگر چہ جائِ سئل ہے یہ کہاں نہیں؟ کہ دل ہے  
 وہ، مری چین جیوں سے، غم نہیں سال بکھا  
 پھر مجھے دیدہ تر یاد آیا  
 تاب لائے ہی بنے گی غالب  
 اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ، انہیں کچھ نہ کہہ  
 نغمائے غم کو بھی، اسے دلِ قیمت جانے  
 کیا شمع کے نہیں ہیں برا خواہ، اہلِ بزم؟  
 "پنڈا ہمئی ہے" کہتے ہیں ہر درد کی، دوا  
 کیا غمِ خواہنے کو سرا، گئے آگ اس محبت کو  
 غم دینا سے گرہانی بھی دُست نہ کھانے کی  
 لیکن یہی کہ "رفت" گمیا اور "بود" تھا  
 آنکھیں خاموش کی مانند، گویا بل گمیا  
 دیکھا، تو کم ہوتے یہ، غمِ روزگار تھا  
 جسے غم سمجھ رہے ہیں یہ اگر شکر ہوتا  
 غمِ عشق گر نہ ہوتا، غمِ روفہ کا ہوتا  
 رازِ مکتوب، برسے ریلجی غمناں بکھا  
 دل، چکر تشنہ خریاد آیا  
 واقعہ سخت ہے اور جان عزیز  
 جوئے دُغمہ کو اندھہ کرنا کہتے ہیں  
 بے صدا ہو جانے کا، یہ سارا ہستی ایک دن  
 ہر غم ہی حیاں گداز، تو غمِ خواہ کی کہیں؟  
 میں ہوں تو چادرِ غمِ الفت ہی کیوں نہ ہو  
 نہ دے سب جو غم کی، وہ سیرا زواں کیوں ہو  
 فلک کا دیکھنا، تقدیر تب تیرے یاد آسکی

پشتا پر نیاں میں شعلہ آتش کا سماں ہے  
ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا  
دلا، یہ درد و الم بھی تو مغنم ہے، کہ آخر  
آتش دوزخ میں یہ مگر کی کہاں  
ہجر و غم سے میں تپک سرنگی جھکھل ہے  
آتش کدہ سے سینہ مرزا، ناز نہاں سے  
غم زمانہ نے جھڑی نشا و عشق کی سستی  
میری قیمت میں منہ گزرتا تھا  
ازبکہ بکھاتا ہے غم ضبط کے انداز سے  
رگڑے میں جب اترے زہرِ غم ترچہ کھینچا کر  
گلفِ افسردگی کو عیش بے تابی حُسنِ  
سوزِ شیں باطن کے ہیں احبابِ نیک، و زباں  
ہوتی یہ کثرتِ غم سے تلف کیفیتِ شادی

## متلع دل و جگر

دوستدارِ دشمن ہے، استمدادِ دل معلوم  
غیر پھر لگا کھینچنے، آج ہم نے آپنا دل  
حالِ دل نہیں معلوم، لیکن اس قدر یعنی  
دل نہیں تجھ کو دکھانا، ورنہ داغوں کی بہار  
کیا کس نے جگر داری کا دعویٰ؟  
دل کو ہم صرفِ ناسمجھے تھے، کیا معلوم تھا  
آہ بے اثر نہ دیکھی، نالہ نارسا پایا  
خوں کیا بہاؤ دیکھا، گم گم کیا بہاؤ پایا  
ہم نے بار بار ڈھونڈا، تم نے بار بار پایا  
اس چراغاں کا، کروں کیا، کھلا فرما جیلا گیا  
شکیبِ خاطرِ عاشقِ بھلا کیا؟  
یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتحان ہو جائے گا

ہے ایک تیر جس میں دونوں چھوٹے ہیں  
 تنگی دل کا گلگیا، یہ وہ کانسرہ دل ہے  
 آہ، وہ جرات مسدود کہاں؟  
 پھر ترے کوپے کو جاتا ہے خیال  
 بیدار عشق سے نہیں ڈرتا، مگر، اسد  
 نہیں اور ایک آفت کا ٹکڑا وہ دل بستی کر ہے  
 دل ہوا، کشمکش چارہ رحمت میں، تمام  
 چچھو کر مرے، عشق خوانا پر شرب  
 بساط عجز میں تھا ایک دل، یک قطرہ خون ہو گی  
 حال آنکہ ہے یہ سہیل غلام سے لالہ رنگ  
 دل سے اٹھا مطفی جلوہ ٹانے معافی  
 سیاب پشت گرمی آئینہ رخسے ہے ہم  
 دل و دیں نقد لا، ساقی سے گروہا کیلے  
 دل مت گنوا، خبر نہ بھی، میری بھی  
 شبنم بہ گل لالہ، زخالی زلوا ہے  
 دل انوں شدہ کشمکش حسرت دیدار

## جذب و شوق

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگی جا کا  
 جب بتقریب سفر، یاد نے عمل باز جا  
 نہ بندے شوق شوق کے مضمحل غالب  
 گہر میں محو ہوا، اضطراب دور کا  
 تپش شوق نے ہرزاسے پہ اک دل باز جا  
 گریہ دل کھول کے دیا کو بھی ساحل باز جا

ہاں وہ نہیں غلہ پرست، جاؤ وہ بیوفا بھی  
 گر ترسے دل میں پہ چالِ وصل میں شوق کا دھل  
 مستان طے کروں ہوں رو وادیِ خیال  
 گردِ بادِ رو بے تابی ہوں  
 شوق دیدار میں گر تو مجھے گردن مارے  
 میں بلانا تو ہوں اُس کو، مگر اُسے جذبہِ دل  
 ہے فزہ فزہ، تنگی جاسے، غبارِ شوق  
 پھر پر کششِ جراتِ دل کو چلا ہے عشق  
 پھر شوق کر رہا ہے خسریا کی طلب  
 جس کو ہر دینِ دل عزیز، نسلی لگی میں جاگیر  
 موجِ محیطِ آب میں مارے ہر دمست، بلکہ توں  
 تا باز گشت سے درہے دعا مجھے  
 صرصرِ شوق ہے بانی میری  
 ہر نگہ، چٹل گلِ شمع، پریشاں مجھ سے  
 اُس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن لے شبنم  
 گردِ ام یہ ہے وسعتِ صحرِ شکار ہے  
 سلمانِ صد ہزار رنگِ دامن کیے ہوئے  
 عرضِ مبارکِ عقل و دل و جاں کیے ہوئے

## باغِ آرزو

خوشی میں نہاں، غمِ گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں  
 اب میں ہوں اور باقی ایک شہرِ آرزو  
 گلہوں میں میری نعش کو کھینچے پھر دیکھیں  
 لے گئے خاک میں ہم دارِ غم کے نشاط  
 نگاہِ بے محاسبہ بچا ہوتا ہوں  
 زکاتِ حسن دے لے حبیبہ، بیش کہ ہر آسا  
 دے لے اگر میرا ترا انصافِ حشر میں نہ ہو  
 سادگی ہائے تمنا، یعنی  
 بجلِ اک کو نہ گئی آنکھیں کسے، تو کیا؟  
 ہر ایک فزہ عاشق ہے آفتاب پرست  
 چرخِ خروہ ہوں میں بے زبانِ گورِ غریباں کا  
 توڑا جو کونے آئینہ تماثلِ دار تھا  
 جاں دادہ ہولے سیرہ گزرا تھا  
 تو ہوا اور آپ بصدِ رنگِ گلستاں ہونا  
 تعافِ ہائے تھکیں آتما کیا؟  
 چرخِ خانہِ دردِ شیش ہو، کاسہ گدائی کا  
 اب تک تو یہ قریح ہے کہ واں میرے گے  
 پھر وہ "نیرنگِ نظر" یاد آ گیا  
 بات کہتے، کہ میں لب تشنہِ نظر بھی تھا  
 گئی نہ خاک ہرے پر ہوا لے ملبوہ ناز

ناز کھینچوں، بجھتے حسرت ناز  
دل کا کیا رنگ کروں خونِ بکریچے نہا  
جس کا خیال ہے کل حبیبِ قباۓ گل  
جاستے ہیں سینہ پر خوں کو زنداںِ خانہ ہم  
تجھے کس تناسے ہم دیکھتے ہیں  
نہا منہ دیدہ دیدار جو، تو کیونکر ہو؟  
کہ جب دلیں تم ہی تم ہوتو، نکھرے نہلی کیوں  
خدا وہ دن کرے جو اس کو میں یہ بھی کہوں وہ بھی  
کعبِ افسوس فنا، عہدِ تجبیدِ قباۓ گل  
وہ دن یاں ہے رونقی، نمودِ چراغِ کشتہ ہے  
سے وہ مجلس نہیں، غلوت ہی رہی  
رہم کراہی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے  
کچھ کہہ سکوں پر وہ مرے پوچھنے کر گئے  
اک برہمن نے کہا ہے کہ "یہ سال اچھا ہے"  
کا شکے! تم مرے لیے تجھے  
کوئی دن اور بھی جیسے ہوتے  
لے گیا تھا گود میں ذوقِ تن آسانی 'مجھے  
کھول کہ پرودہ' ذرا نکھیں ہی دکھلا دے مجھے  
مانا کہ تیرے رخ سے ننگ کا میاں ہے  
آئی شبنم، عسبرداں کی تمنا ہے آگے  
بہت نکلے مرے اداں لیکن پھر بھی کم نکلے

وہ دن بھی ہو! کہ اس ستمگر سے  
عاشقی میر طلب اور قنابلے تاب  
غائب! مجھے ہے اس سے ہم خوشی آرزو  
دامِ بھس اس میں ہیں لاکھوں تمنائیں اسد  
تماشا کر، اسے مجھ آسینہ داری  
غلط نہ تھا ہمیں خط پر گماں قسلی کا  
یہ کہہ سکتے ہر دم دلیں نہیں ہیں پرست لاد  
مرے دلیں ہے غائب، فرقِ دل و گوہِ بھراں  
نہا، خوشی اندیشہ، تابِ رنج فریدی  
دل لگی کی آرزو ہے چین رکھتی ہے میں  
میرے ہونے میں ہے کیا دسواں؟  
ہے دل شوریہ غائب، طلسمِ بیچ و تاب  
ہوں کشمکشِ نزع میں، ہاں! جذبِ بخت  
دیکھئے پاتے ہیں متاعِ تہوں سے کیا فیض  
قہر ہو یا بلا ہو، جو کچھ ہو  
ابھی حبِ تادہ راہ میر، غائب  
واسے! واں بھی شرِ جھڑنے نہ دم لینے دیا  
منہ دکھلا دے نہ دکھلا، پر یہ اندازِ عتاب  
میں نامراد دل کی تسلی کو کیا کیوں؟  
خوش ہوتے ہیں پر دل میں بدل نہیں جاتے  
نہا دل غامض میں اس کی ہر خواہش پر دم نہکے



ہوں میں بھی تمب شانی زیر نگین تمنا  
پھر نکالے کس سلف کو شربتِ حیات میں اے خدا  
مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی ہوا  
افسوس انتظار، تمت کہیں جیسے

## ذوق لذتِ آزار

جذبہ بے اختیار شوق دیکھا چاہیے  
رخم نے داد نہ دی تنگی دل کی یارب!  
سینہ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا  
تیر بھی سینہ بسمل سو پر افشایا  
عشقِ نبردِ پیشہ، طلبِ گار مرد تھا  
ناخن پر قرض، اس گروِ نیم باز کا  
دل کہ ذوق کاوشِ ناخن سے لذتِ یاب تھا  
خانہ عاشق، مگر سازِ صدائے آب تھا  
عیدِ انتظار ہے، شمشیر کا سرِ پائے برتا  
لذتِ ریشِ جگر، غرقِ نمکدیں ہوتا  
رخم کے بھرنے تک، ناخن نہ بڑھا جادو گئے کیا؟  
عذرا میرے قتل کرنے میں ڈاب لایا تھی کیا؟  
خیالش کہاں سے ہوتی، جو جگر کے پار ہوتا؟  
شہیدانِ نگہ کا خون بہا کیا؟  
راہِ امانتِ خیرین بے گنہ، حق، شستانی کا  
تو ہی جب خنجرِ آذما نہ ہوا  
نہ ہوتا گردِ آتش سے، تو زانو پر دھرا ہوتا  
پر کیا کریں، ہر دل ہی عذو سے فراخ کا  
آخر، اس شورش کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا؟  
جذبہ بے اختیار شوق دیکھا چاہیے  
رخم نے داد نہ دی تنگی دل کی یارب!  
دھمکی میں مر گیا، جو نہ بابِ نبرد تھا  
کاوش کا دل کس سے تھا، کس سے ہنوز  
ناگہاں اس رنگ سے غنا یہ ٹپکانے لگا  
مقدمِ سیلاب سے دل کیا شفا آجنگ ہے  
عشرتِ قتل گراہی، تمت امت پرچھ  
عشرتِ پارہ دل، و حسدِ تنہا کھانا  
دوستِ فخراری میں میری سہمی فرماویں گے کیا؟  
آج داں تیغ و کفنِ بلندھے دیکھئے جانا ہوں میں  
کوئی میرے دل سے پوچھے، تیرے تیر نکیش کو  
معا کیا ہے؟ میں غنا میں ادھر دیکھ  
نہ ادا جان کسے جرمِ غافل، تیری گردن پر  
ہم کہاں قسمت آذما نے جائیں؟  
ہر جا جب غم سے ہیں عینِ تو غم کیا سر کے کٹنے کا  
سوارِ بندِ عشق سے آنا دہم ہوسنے  
ہم تھے مرے کہ کھڑے پاس نہ آیا، نہ سہی

پُرگل خیالِ جنم سے ناسن نگاہ کا  
 پروانہ ہے وکیل ترسے داد خواہ کا  
 روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہو جانا  
 نیامِ پردہ ز حشمِ جگر سے خنجر بھینچ  
 کہنا چتے ہیں پڑے سرسبز در و دیوار  
 ہم کو حسدِ یس لذتِ آزار دیکھ کر  
 جی خوش ہوا ہے راہ کو پُر خار دیکھ کر  
 بہم گر صلیح کرتے پارہ ہائے دلِ ٹکڑوں پر  
 قیامتِ اک برائے تازہ ہے خاکِ شہیدوں پر  
 جلاؤ کو، لیکن وہ کہے جائیں کہ "ہاں اور"  
 کہ "مشرقِ نازکِ سخنِ دو عالم میری گردن پر"  
 جوئے خوں ہم نے بھائی بھئی ہر خاد کے پاس  
 اسے ناما ہی نفسِ شعلہ بارِ حیف  
 کیا مزا ہوتا، اگر حقیر میں بھی ہوتا ملک  
 دودھ بہتا ہے جہاں میں کس قدر پڑا ملک  
 نارِ ٹیل کا دودھ اور خستہ گل کا رنگ  
 یاد کرتا ہے مجھے دیکھے ہے جس جانک  
 دلِ طلب کرتا ہے زخم اور مانگے ہیں لاشِ خاک  
 زخم سے گرتا، تو نہیں چلوں سے بچا تھا ملک  
 آگِ اطلب ہے ہم کو جو ہوا کہتے ہیں  
 غیر سمجھا ہے کہ لذتِ زخمِ سوزن میں نہیں

متل کو کس نٹ اسے جاتا ہوں کہ ہے  
 جاں در ہوا سے یک نگہ گرم ہے، امد  
 ہے مجھے ابر بہاری کا برس کو ٹھٹھا  
 یہ نیم غزہ ادا کر حق و دیست ناز  
 نہ پوچھ بے خودی عیشِ مقدمِ سیلاب  
 داحسرتا کہ یار نے کھینچا بسم سے ہاتھ  
 ان آہوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں  
 فراغت کس قدر رہتی مجھے تشویشِ مرہم سے  
 بجسز پردازِ شوقِ ناز کیا باقی رہا ہوگا؟  
 مرنے ہوں، اس آواز پر ہر چند سر اڑ جائے  
 امد بسل ہے کس انداز کا اقبال سے کہتا تھا  
 جسگر تشنہ آزار، تسلی نہ ہوا  
 جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اک بار مل گئے  
 ز حشمِ پد چھڑکیں کہاں طفلانِ بے پروا ملک  
 گرد و پاؤں سے سامانِ ناز ز حشمِ دل،  
 مجھ کو اندانی رہے! تجھ کو مبارک ہو جیو  
 داد دیتا ہے مرے زخمِ جگر کی، واہ واہ  
 پھیر کر جانا جن مجروحِ عاشق حیف ہے  
 یاد میں غائب تجھے وہ دن کہ وجہِ فراق میں  
 اک شرمِ دل میں ہے اس کوئی گھبرا گیا؟  
 زخمِ سولنے سے غم پر چارہ جونی کا ہے طعن

عمل بھی ذوقِ درد سے فارغ ہے کہ ان میں  
 قیامتِ دشتِ گرمی تاب و توان نہیں  
 لبِ پود، سبجِ زمزمہ "الامان نہیں  
 دل میں پھری چھوڑ کر خونِ چکان نہیں  
 ہے عارِ دل، نفسِ اگر آذرِ شاں نہیں  
 حادۂ زاہد، بجز دمِ شمشیر نہیں  
 لذتِ سنگ، بانازہٗ تقصیر نہیں  
 کافر ہوں، گر نہ طبی ہواستِ غلاب میں  
 شردۂ قتلِ مقتدی ہے، جو مذکور نہیں  
 ہے تعاضلِ بخت، شکرۂ بیدار نہیں  
 گری ہے جس پر کلِ بخت وہ میرا آشیانِ کیوں ہے  
 تم ہو بیداد سے خوش، اس سحرِ اللہ بھی  
 سیر کے واسطے تھوڑی سی نضالِ اللہ بھی  
 نہ ہر کچھ اور بھی، آبِ بابت اور بھی  
 ایک بیدار و گیر، رنجِ فخرِ زاہد، یہاں  
 میں بھی بٹے ہوں میں، ہوں داغِ ناتمامی  
 ہرگز، جسے بدن پہ زبانِ سپاس ہے  
 ہم نہیں جلتے، نفسِ ہر چند آتشِ بلر ہے  
 دل کے حوں کرنے کی فرصت ہی بھی  
 موت آتی ہے، پر نہیں آتی  
 سینہ، جو مائے زخمِ کاری ہے

قطرہٗ قطرہ، ایک ہی پتلی ہے سنے ناسود کا  
 ہر چند جاں گزازی ہی ہمد و عتاب ہے  
 جاںِ مطربِ ترانہ "ہل میں مزید" ہے  
 خنجر سے چیر سینہ، اگر دل نہ ہو وہ سیم  
 ہے نگاہِ سینہ، دل اگر آتش کو نہ ہو  
 حسرتِ لذتِ آزاد رہی جاتی ہے  
 سر کھتا ہے، جہاں بزمِ سراپا ہو جاتے  
 طبی ہے خونے یار کے، نازِ انہاب میں  
 وعدہٗ سیرِ گلستاں ہے، خوشا، باطلِ شوق  
 نالہٗ بجز حسنِ طلب، اے ستمِ ایثار نہیں  
 قفس میں بھوسے، دودادِ جی کہتے نہ ڈرِ ہمد  
 میں ہوں مشتاقِ جفا، مجھ پہ جفا اور بھی  
 کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو ملا میں، یارب؟  
 مجھ کو وہ دو کر جسے کھا کے نہ پانی مانگوں،  
 مجھ سے غالب، یہ علاقے نے غزلِ کھلائی  
 اُس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا ہے  
 کچھ بیاں سمد و جبِ غم کہاں تلک  
 جی جلیے ذوقِ فلکِ ناتمامی پر نہ کیوں؟  
 عمرِ ہر چند کہ ہے برقعِ خرام  
 مرے ہیں آندروں میں مرنے کی  
 پھر کچھ اک دل کو بے قرار ہے

دل، خسر یادِ رزقِ غلامی ہے  
 دُہی مسدودِ نالہ شک باری ہے  
 ہر حسد اس میں لاقہ ہمارے قلم ہوتے  
 امتحان اور بھی باقی ہے، تو یہ بھی نہ سہی  
 واسے! اگر عہد استوار نہیں ہے  
 سمجھیرت کہ پاس دروسے دیوانہ غافل ہے  
 کچھ تجھ کو مزا بھی مے آزار میں آئے  
 کر اپنے سائے سے سر پا فوسے ہر دو قدم لگے  
 شکوہ حمد سے سرگرم جفا ہوتا ہے  
 آپ اکھلاتے ہیں، گرتے خطا ہوتا ہے  
 شعلہ تابضِ جگر رشہ روانی مانگے  
 بکھریجی، یارب! اُسے قسمت میں عذوقی  
 کاش! یوں بھی ہو کہ میں میرے سائے نہ بنے  
 کہ اس میں ریزہ الماس ہر جزوِ ظلم ہے  
 مڑ جابا میں، کیا مبارک ہے گراں جانی مجھے  
 سجدہ زانو ہوا ہے، خندہ زیر لب! مجھے  
 غرض شستِ بُتِ نالوکِ فتن کی زنا میں ہے  
 وہ زخم تیغ ہے جس کو کر دکھتا کیے  
 مشکل کہ تجھ سے راہِ سخن وا کرے کوئی  
 ہاں! دردِ بن کے دل میں گرما کر کوئی  
 دیکھو! اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے

چشمِ ذلّالِ جنسِ رُسوانی  
 دُہی مسدودِ نالہ فسادِ  
 لکھتے دہے جنوں کی حکایاتِ غمچکان  
 نہ ہرئی گور مے مرنے سے تسلی نہ سہی  
 قتل کا میرے کیا ہے عہد تو، بارے  
 رونے زخم سے مطلبِ کثرتِ زخمِ سوزن کی  
 دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ سنگر  
 عجب نشاط سے ملا دے چلے ہیں ہم آگے  
 گوجھتا نہیں! پر حسین تلافی دیکھو  
 کیوں نہ ٹھہریں ہدفِ نالوکِ بیداد؟ کہ ہم  
 وہ تبِ عشقِ تناسف ہے کہ پھر صدمتِ شمع  
 جسِ رخصتم کی ہر کسکتی ہو تہہ ہر رُفوقی  
 کھیل سمجھا ہے، لکھیں چھوڑ نہ نہ بھول نہ جانا  
 نہ پوچھ نہ سمجھ، نہ رجعتِ دل کا  
 بن گیا تیغِ نثار کا سنبھال  
 یاد ہے شادی میں بھی، ہنگامہ 'یارب' مجھے  
 رہے دلی ہی میں تیرا چھا، جگر کھار ہو بہتر  
 نہیں ذریعہ راحت، ہر راحتِ پریاں  
 جب تک میانِ زخم نہ پیدا کرے کوئی  
 افسوگئی نہیں لرب! انشائے لغات  
 زندگی میں تو وہ بھل سے اٹھادیتے تھے

جو ہر تیغ بسر پہنزد دیگر معلوم  
ہل میں وہ ہنزد کہ زہر آب لگتا ہے مجھے  
دعا جو تماشائے شکست دل ہے  
آنزہ خانے میں کوئی لیے جلتا ہے مجھے  
نوں ہر کے جگر آنکھ سے نکلا نہیں اے مرگ  
میتے سے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے

## حدیث رشک

قرارد مٹوئے غیر نظر ہائے تیرہ تیزند  
میں اور دکھ تری مشرہ ہائے دراز کا  
جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو؟  
راک تم شاہراہ بگلا نہ ہوا  
تو دوست کسی کا بھی ہرستہ لگ نہ ہوا تھا  
اُوروں پر ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا  
قاصد کو اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریے  
اُس کی خطا نہیں ہے یہ میرا قصور تھمت  
رشک کہتا ہے کہ اُس کا پیسہ لٹاؤ نصفاً  
مقل کہتی ہے کہ ”وہ بے مہر کس کا آشتا؟“  
ڈکڑا اُس پر سی ویش کا اور پھریاں اپنا  
بن گیا رقیب آخر تھا جو راز داں پایا  
نئے وہ کیوں بہت پیٹتے بزمِ غیر میں یارب؟  
ہو بیٹے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ؟  
عشق میں سب اور رشک غیر نے ملا مجھے  
غیر نہیں کرتا ہے میری چمک اُس کے ہجر میں  
ناک میں جانوں کہ ہے اُس کی رسائی دان تنگ  
جب کہ میں کرتا ہوں اپنا ٹیکوہ ضعفِ دماغ  
چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر  
تری طرف ہے بھرت، نفاذہ زنگس  
کیوں مل گیا نہ تاب زُبرج یار دیکھ کر؟  
آتا ہے میرے قتل کو پر جوش رشک سے  
میتا ہوں دل و جسم رقیب سا غصہ کھینچ  
جنتا ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھ کر  
موتا ہوں اُس کے ہاتھ میں تلواریکھ کر

یاد، اپنے خطا کو ہم پہنچائیں کیا؟  
گشتہ دشمن ہوں آخر گرج تھا بیمار دوست  
بے تکلف دوست بڑھیں کوئی غمخوار دوست  
مجھ کو دیا ہے پیامِ وعدہ دیدار دوست  
مگر کسے ہے وہ حدیثِ نعلینِ بار دوست  
ہنس کے کہتے ہیں عیانِ شرمی غمخوار دوست  
بکوری دل و جسم رقیب سا غصہ کھینچ  
جنتا ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھ کر  
موتا ہوں اُس کے ہاتھ میں تلواریکھ کر

تکلف برطرف بل جلتے گا تجھ سا قریب آخر  
 میں اور اندر شہ ہائے دور و دراز  
 ہوئی ہے آتش گل، کب نہ گناہی شمع  
 گردِ ساحل ہے بزمِ محبت دورِ بانک  
 رکھا ہوا مثل سایہ گل سر پائے گل  
 میرا قریب ہے نفسِ عطر سائے گل  
 ڈالے تم کو دم نے کس بیچ و تاب میں؟  
 ہر ایک سے پوچھتا ہوں کہ "جاؤں کھر کوں؟"  
 سائے کاش! جانتا نہ ترے رہ گئے کوں  
 عشق کا، اس کو، گماں ہم سے زبانوں پر نہیں  
 ہم اور جہ طالعِ صل و گہر کو دیکھتے ہیں  
 ہے ریتِ خوش کہ حجابِ کشفِ الہام گہن  
 ڈھول تڑپی ہے کہ ڈھول بجا نہیں  
 اپنے پے اٹھتا ہے اور کو آزمائے کھل؟  
 آوے وہ یاں خدا کیسے پرنہ کہنے خدا کیوں  
 سامنے آن بیٹھا اور یہ دیکھنا کہ یوں  
 ہر چند بر سبیل شکایت ہی کھل نہ ہو  
 ندی ہوتی خدا یا، آند دے دوست دشمن کو  
 نالہ مرغِ محمد فتحِ دوم ہے ہم کو  
 مڑتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ، ہو  
 یا پندہ ہمیں نہ ہاں اٹھائے

شرم کن مصیبت ہوں کہ زبانِ تجھ پہ عاشق ہیں  
 تو اور آدائشِ حشم کا کل  
 رنج نگار سے ہے سوزِ جب اور اپنی شمع  
 شہرِ حلاوت تھا کنا بکسرِ کس کا کہ آج  
 خوش حال اس حریفِ سیرست کا کہ جو  
 ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لیے، بہار  
 میں مضطرب ہوں وصل میں خوفِ قریب ہے  
 چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لیں  
 مانا پناہ قریب کے درد پر ہزار بار  
 ہو گئی ہے، غیر کی شہریں بیانی کا درگہ  
 ترے ہوا ہر طرف کو کویا دیکھیں؟  
 سب قیوں سے ہوں ناخوش پرنانِ تھر سے  
 بنا تھا اگر نہیں، سان، تو سہل ہے  
 حشرِ اداں پر شہنشاہ گئی بواہر کی شرم  
 رات کے وقت سے ہے ساتھ قریب کے لیے  
 "غیر صحت کیا بنی؟ یہ جو کہا تو دیکھیے  
 ہے جو کہ تجھ سے تذکرہ غیہ کا گلہ  
 نہیں گر محمدی آسان یہ رشک کیا کم ہے؟  
 رشک ہم طرعی دور و دراز باغِ حسن  
 اُجھلا ہوا نقاب میں ہے ان کے ایک تار  
 یا میرے زخمِ رشک کو سوا نہ کیجیے

غیر کے مرگ کا غم کس لیے اسے غیرت ماہ؟  
ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے  
گنوا، استہ، سرت، پیغام یار سے  
دیکھنا قیمت کہ آپ اپنے پر رشک آجائے  
اُس کی بزم آرائیاں کس کز دل رنجڑیاں  
گرچہ ہے کس کس کی بڑائی سنے دے ہاں ہر  
اپنی نگلی میں بھج کو نہ کز دقن، بعد قتل  
گو ہمد کو مقدر گردن خوباں میں دیکھنا  
مرزاؤں نہ کیوں رشک سے جب وہ جن ناک  
یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے  
نقرش ناز، تبت، گشت از باغ و شرب قریب  
غیر چھرتا ہے لیے یوں ترے خط کو کہ اگر  
ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے  
وہاں ہے دل اگر اُس کو، بشر ہے، کیا کیے  
رہے ہیں گرو، بیکہ کہ کوئے نورت کو اب  
یارب! اس شخص کی داد کس سے چاہیے؟  
تخلّف بطف نقارگی میں بھی سہی، سیکن  
قیامت، کہ چوئے مدّعی کا ہم سفر، غالب  
نقوت کا گلاں گزے ہے میں رشک سگڑا

۱۔ میں ہرگز پیشہ بہت ماہ نہ ہوا اند سہی  
غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی  
قاصد پہ مجھ کو رشک سوال جواب ہے  
میں نے دیکھ کر بھلا کب بھڑک دیکھا جاتے؟  
مثل نقش مدعا سے غیر، بیٹھا جاتے ہے  
ذکر سیرا مجھے بہتر ہے کہ اُس مغل میں ہے  
میرے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر ہے؟  
کیا اورچ پر ستارہ گرو ہر فروش ہے  
ہم خوش حسنیم حلقہ آرائیں آوے  
وگر نہ خوف پدا موزی عمل کیا ہے؟  
پائے طاؤس، پنے خامڑائی، مانگے  
کئی پڑھے کہ "یہ کیا ہے" تو چھپا نہ سنے  
مرتے ہیں اُسلے اُن کی تمت نہیں کرتے  
ہوا قریب تو ہو، نامہ بر ہے، کیا کیے  
اگر نہ کیے کہ دشمن کا گھر ہے، کیا کیے  
رشک آسائش پہ ہے نہ زانیریل کی اب جے  
وہ دیکھا جاتے کتب ظلم دیکھا جاتے ہے جھٹ  
وہ کافر، جو خدا کو بھی نہ مانتا جاتے ہے مجھ سے  
کیوں کر کہیں: "لوام نہ اُن کا میرے مانگے؟"

تہدی ملزود ووش بیانتے ہیں ہم کیسے ہے  
گر گھوڑے کوئی اُس کو خطا تو ہم سے گھوڑے  
راہِ بلا میں بھی ہیں، بتلائے آفتِ رشک

قیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے  
ہفتی صبح اور گھر سے لکان پر رکھ کر تلے نکلے  
بلاتے جاں ہے اعلیٰ تیری ایک جہاں کھیلے

## دہم و بدگمانی

بغل میں غم کی آج آپ سوتے ہیں کہیں درند  
سے قولوں سوتے ہیں اُس کے پاؤں کا پورہ نگر  
بدگمانی نے نہ چاہا اُسے سرگرم خرام  
ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا  
ہم نہ ایمدی ہمہ بدگمانی  
کیا بدگمان ہے مجھ سے اکر سینے میں سے  
ہے بسکہ ہر اک اُن کے اشارے میں نشان اور  
جلے ہے دیکھو کے بالین یار پر بھسک  
ظالم، مرے گاس سے مجھے منفعیل رحمن  
گردش رنگِ طرب سے ڈر ہے  
مجھ تک کب ان کی ہنم میں آتا تھا دورِ حرم؟  
ہے ہے اغضا تھا ستارہ اور شہسوی  
تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اُسے ندیم  
ہم سے ہمیشہ ہے گمانِ بخشِ خاطر  
خطرے رشتہ کلفت، رگِ گردن نہ ہر جانوسے  
بدگمان ہوتا ہے وہ کافر نہ ہوتا کاشکے

سبب کیا خواب میں اگر ستم ہائے نہاں کا  
ایسی باتوں سے وہ کافر بدگمان ہو جائے گا  
رُخ پر ہر قطرہ عرق، دیدہ حیران کھا  
آپ آتے تھے، مگر کوئی حائل گیر بھی تھا  
میں دل ہوں قریب و فاجر دکان کا  
طوطی کا عکس سمجھے ہے، رنگار دیکھ کر  
کرتے ہیں محبت، تو گزرتا ہے گاس اور  
نہ کیوں ہر دل پر مرے داغِ بدگمانی شمع؟  
ہے ہے بغدانہ کردہ، تجھے بے وفا کہوں  
عسیم محرومی حب دیدہ نہیں  
ساقی نے کچھ بلانہ دیا ہو شراب میں  
اسے شوقِ منفعیل، یہ تجھے کیا خیال ہے؟  
میرا سلام کہیو، اگر نام نہ برے  
خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے  
غروبِ دوستی آفت ہے، تو دشمن نہ ہر جانکے  
اس قدر ذوقِ نواسے مرغِ بستانِ مجھے



بلخ، پاکر خفانی، یہ ڈراتا ہے مے سایہ شاہ گل، انھی نظر آتا ہے مجھے

## ایلیکینہ حسرت

نہ نے نئے کو اتنا طویل غالب، غمغھر کھڑے  
 مشہد عاشق سے کوسوں تک جو آگئی ہے جانا  
 جاتا ہوں داہرا حسرت ہستی سے بے بخت  
 مُند گشتیں کھرتے ہی کھرتے، آنکھیں غالب  
 کمالِ گرمی سہی تلکاش دیدن پوچھ  
 مُند گشتیں کھرتے ہی کھرتے، آنکھیں نہ ہے  
 غم اس کو حسرت پر روانہ کاسے لے فضلے  
 حسرت لے فدوق خرابی، کہ وہ طاقت نہ رہی  
 ہمارا ہوں عشق کی غارت گری نے شرمندہ  
 دے دادا اسے فلک، دل حسرت پرست کی  
 مھر میں تھا کیا کہ ترا غم اُسے غارت کرتا  
 کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا رگد؟  
 آنکھ کی تعمیرِ برسرِ مے پہ کھینچی ہے، کہ تا  
 کروں پیدا و ذوقِ پریشانی عرض کیا قدرت  
 خارِ عالمِ حسرت دیدار تو رہے  
 غریبِ غفلت میں برسے پیام کے  
 صد حریف اب وہ ناگاہ کہ اک مھر سے، غالب  
 دشنے نے کبھی منہ نہ لگایا جو جگر کو

کہ حسرت سچ ہیں عرضِ ستم ہائے جہانی کا  
 کس قدر یارب، ہلاکِ حسرت پاؤں سے تھا  
 ہوں شمعِ کشتہ، دو خود محفل نہیں رہا  
 یاد لائے مری بالیں پہ اُسے پر کس وقت؟  
 بزمِ غلام سے اُسے سے جو ہر کھینچ  
 خوب وقت اُسے تم اس عاشقِ ہمارے پاس  
 ترے لڑنے سے ظاہر ہے ناتوانیِ شمع  
 عشق پر غمزدہ کی گول، تین درجہ نہیں  
 سولے حسرت تعمیر گھر میں خاک نہیں  
 ہاں، کچھ نہ کچھ تو فی مافات چاہیے  
 وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرتِ تعمیرِ مہر  
 دلِ فردِ جمع و خرقہ نیاں ہائے لال ہے  
 جھ پر کھل جاوے کہ اس کو حسرتِ دیدار ہے  
 کہ طاقت اُدھمکی اُدھم سے پہلے میر جگر کی  
 شوق، گھنچیں گلستاں تکی نہ رہی  
 ہم رہیں یوں ترش زنب پیمان کے  
 حسرت میں رہے ایک بُتِ عربہ جو کی  
 غنچہ نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی

بھی تو اس سرخوردہ کی بھی داد ملے کہ ایک ٹکڑے حسرت پر مت یا لیں ہے  
 طبع ہے مشائخ لذت ہائے حسرت کیا کر لوں؟ آرزو سے ہے شکست آرزو مطلب مجھ

## بے خودی

نفس مریع عیط بے خودی ہے  
 پھر بخودی میں بھول گیا راہ کوڑے یار  
 مجھ سے کہا جیسا نہ جاتے ہیں ہر شے کی طرح؟  
 ہم وہاں تیرا جہاں سے ہم کو بھی  
 ہوں زخود رفتہ بیدار غم خیال  
 بے خودی، بستر تمہیں در فراغت ہو جو  
 بھی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ ملان  
 تنہا فل ہائے ساقی کا گلا کیا؟  
 جانا، دگر نہ ایک دن اپنی خبر کو میں  
 دیکھ کے میری بخودی چلنے لگی ہوا کہ یوں  
 کچھ ہاری خبر نہیں آتی  
 بھول جانا، ہے نشانی میری  
 پڑے، ساسے کی طرح، میرا شبتاں مجھ سے  
 بیٹھے میں تصویرِ حساناں کیے ہر نہ

## حرف وفا

تالیف نسخے نے وفا کر رہا تھا میں  
 دہریس نقشِ وفا و حیرت سی نہ ہوا  
 مریع مطلب و شبت وفا کا نہ پوچھ حال  
 دل سے ہلے کشت و قامت گئی کہ واں  
 مریع خوں سر سے گزری کیوں نہ جائے  
 چھوڑ دل گائیں نہ اس بُت کا فسر کا چرنا  
 کیونکر اس بُت سے رکھیں جان عزیز؟  
 ہم پر جہان سے ترک وفا کا گناں نہیں  
 مجھ سے خیال ابھی فرد فرد تھا  
 ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا  
 ہرزہ، خیل جو ہر تیغ آب دار تھا  
 حاصل، سولے حسرت حاصل نہیں رہا  
 آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا  
 چھوڑے نہ خلق، گھر مجھ کا فر کہے بغیر  
 کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز؟  
 اک چھپر ہے، دگر نہ مراد امتحان نہیں

اُس فتنہ جُرم کے دوسے اب اٹھتے نہیں! اسد  
 وفا داری بشرطِ استثنائی اصل ایسا ہے  
 دل کو میں اور مجھے دل خود دکھاتا ہے  
 ہے! پارے اعتقاد و مناداری اس قدر  
 ایک جا حریف و ناکھٹا تھا، سرور بھی ہٹ گیا  
 ہسم کوئی ترک و فاکرستے ہیں  
 جان تم پر ہنسا رکھتا ہوں  
 خط عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت نے عہد  
 تمہیں نہیں ہے سر رشتہ وفا کا خیمال

## تسلیم و رضا

مے وہ جس قدر زلت ہم ہنسی میں مالدیں گے  
 چشم ہاروشن! کہ اُس بیدرد کا دل شاد ہے  
 پرہیز نہیں! نہ دیجیے، دشنام ہی سہی  
 دونوں پہچان مے کے وہ مجھے یہ خوش رہا  
 بزم میں اُس کے روبرو کیوں نہ خورش بیٹھے  
 کسی کو دیکھ دل کوئی تو اسے سچ فغاں کیوں ہو؟  
 رد دار کھو نہ رکھو، محنت جو لفظ شکلیہ کلام  
 ہم بھی تسلیم کی غم ڈالیں گے  
 سفینہ جب کہ لٹا ہے پرانگا غالب

بلے آشنا نکلا، لُن کا پاسماں، اپنا  
 دیدہ پڑ غل ہمارا، ساغر سرشار دوست  
 آخر زباں تو رکھتے ہر دم، مگر وہاں نہیں  
 یاں آپڑی یہ شرم کہ حکم دار کس کریں  
 اُس کی قوماشی میں بھی ہے ہی تو مال کیوں  
 نہ ہر جہل ہی بنے میں تو کھیز میں کیاں کیوں؟  
 اب اُس کو کہتے ہیں اہل سخن سخن تکیدہ  
 بے نیازی تری عادت ہی کہی  
 خدا سے کیا ستم و کج بردار خدا کیے

## گلہ و شکوہ

آج کیوں پروا نہیں اپنے امیروں کی تجھے؟ ق کل تک تیرا بھی دل 'مہر و وفا' کا باب تھا  
 یا کو روہ دن کو ہر ایک حلقہ ترے دام کا  
 انتظار صید میں، اک دیدہ بے خواب تھا  
 فواش ہاتے بے جا و حکمت ہوں  
 شکایت ہاتے رنگیں کا بلکہ کیا؟  
 مٹی اُلے غارت گر جنس و فتنہ  
 شکست قیمتِ دل کی صد کیا؟  
 کیا وہ فردود کی حسدانی تھی؟  
 بسندگی میں مزاجِ سلانہ ہوا  
 شکوہ سچ رشکِ ہمدگیر نہ رہنا چاہیے  
 میرا زلف و فرس اور آئینہ تیرا آشنا  
 لڑہ بھی کہتے ہیں کہ 'یہ بے ننگ نام ہے'  
 یہ جانتا اگر، تو کسٹ تا نہ گھس کر کوئی  
 دلے امحور و سیسہ و بڑا احوال وفا  
 جانتا ہے کہ ہمیں طاقت فرما نہیں  
 تہیں کہو کہ گزارا صنم پرستوں کا  
 جوں کی ہوا گر ایسی ہی تھو تو کیونکر ہو  
 تم اپنے شکوے کی باتیں نہ کھود کھود کے پوچھ  
 حذر کر دوسرے دل سے اگر اس میں لگ ہی ہے  
 ہے کچھ ایسی ہی بات جو چُپ ہو کر  
 دور نہ، کیا بات کر نہیں آتی  
 میں بھی فتنہ میں زبان رکھت ہوں  
 لاکش! پوچھ کر مدعا کیا ہے؟  
 ہم کو اُن سے وفا کی ہے امید  
 جو نہیں جانتے، وفا کیا ہے؟  
 سنی نشانِ عشق کی، پوچھے ہے کیا، خبر؟  
 وہ لوگ رفتہ رفتہ سدا پاؤں ہوئے  
 ہوں سراپا ساز، ہنگامِ شکایت کچھ نہ پوچھ  
 سہے بھی بتر کہ لوگوں میں نہ پھیرے تو سچھے  
 پڑھوں میں شکوے سے یوں لاک سے جیسے باجا  
 اک ذرا پھیر دیے، پھر دیکھیے، کیا ہوتا ہے



## طعن و تشنیع

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے ہاتھ پر ناحق ؛  
 اب جیسا ہے بھی میں غمزدہ ہوں : اللہ اللہ !  
 کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں  
 کبھی ہوشن مانع بے لطیفی خود جہنم آتی  
 کہا تہنے کو کیوں ہو غیر کے ہٹنے میں مروائی ؟  
 کیا خوب ! تہنے غیب کو بوسہ نہیں آیا ؛  
 ہے آریس دل میں کبھی ہوش بجا کھجے  
 صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کیوں ؛ یہ غم  
 جلوہ ناز ہفتش روزخ ، ہمارا دل ہی  
 وارغ دل گر غم نہ نہیں آتا  
 دل نادان تنھے ہوا کیسے ؟  
 چاہتے ہیں خبر رویوں کو رستہ ، ق  
 غافل ان مرد علمتوں کے واسطے  
 موت کی راہ نہ دیکھوں ؛ کوہن لگے نہ رہے  
 دل لگا کر آپ بھی ؛ غالب بھی سے ہو گئے  
 کریں گے کوہن کے حوصلے کا امتحان آخر  
 وفا مقابل و دعوائے عشق بے بنیاد  
 نہ کیسہ طعن سے پھر تم کہ ہم سنگد ہیں

آدمی کوئی ہمارا دم تحسیر پر بھی تھا ؛  
 اس قدر خوشن آریا بے وقت ہو جانا  
 کہ آج بزم میں کچھ فتہ و فساد نہیں  
 ہوا ہے خندہ اسباب ؛ بخیر حیات دامن میں  
 بجا کہتے ہو کچھ کہتے ہو کچھ کیوں ہو ؛  
 بس چپ رہو ، ہمارے بھی منہ میں زباں ہے  
 صبح وطن ہے خندہ دندان غلامی  
 دینے لگا ہے دوسرا بغیر انتہا کیے  
 فتنہ شور قیامت کس کی آگ لگی ہیں ؛  
 بڑھ بھی لے چہ نہ گر ، نہیں آتی ؛  
 آخر اس درد کی تھو اکیا ہے ؛  
 آپ کی صدمت تو دیکھا چاہیے  
 چاہنے والا بھی اچھا چاہیے  
 نہ کہ جاہوں ؛ کہ نہ آؤ ، تو بلائے نہ بنے  
 عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب ؛  
 ابھی اُس خستہ کے نیرسے تن کی آوازیں ہے  
 جنوں ساختہ و فصل گل قیامت ہے  
 بچے تو خوب ہے کہ جو کچھ کہہ "بجا" کیے

روئے دہر کو بستہ آوارگی سے، تم  
 ابھی قریم ہوا کمرے کوئی  
 کہاں میخانے کا دروازہ غالب اور کہاں غلط  
 دراعظ، نہ قمر جو، نہ کسی کو چلا سکو  
 بارے، طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے  
 میرے دکھ کی دوا کسے کوئی  
 پرانا جانتے ہیں، کل وہ جاتا تھا کہ ہم بچے  
 کیا بات ہے تمہاری شربِ ظہور کی

## عشق کا مراں

جس اور خط و وصل، خدا مازبات ہے  
 کچھ ناماتِ مرسل کی اہم آغوشی کے تحت  
 لاشن کو قری محبت از لبکہ پسند آتی ہے  
 ہے وصلِ حبیبِ عالم تمکین و ضبط میں  
 جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں  
 ہے نگاہ آشنا، تیرا سر پہرہ مجھے  
 ہر غمخیز کا گل ہونا، آغوش کشائی ہے  
 معشوق شوق و عاشق دیوانہ چاہیے  
 شوقِ فصول و جزئیاتِ زندانہ چاہیے  
 جس سے دل ہی جاسے گا بوسہ بھی تو، ہاں

# حرمِ ناز

پلائے جاں ہے غالیہ، اُس کی ہر بات  
عبارت کیا، اشارت کیا، ادا کیا





|     |                |
|-----|----------------|
| ۹۷  | پیش مقدم       |
| ۹۷  | جلدہ گدیار     |
| ۹۷  | نظارۂ جمال     |
| ۹۹  | جمال دوست      |
| ۹۹  | سراپائے محبوب  |
| ۱۰۲ | حسن نام ناز    |
| ۱۰۲ | نیراکت         |
| ۱۰۳ | شرم و حیا      |
| ۱۰۳ | کمر شمع حسن    |
| ۱۰۴ | سادگی و پیکاری |
| ۱۰۳ | ناز و آدا      |
| ۱۰۵ | حسن تغافل      |

|    |                         |
|----|-------------------------|
| ۵  | جابلِ عارفانہ           |
| ۶  | بے التفاتی و بے اعتنائی |
| ۷  | بے نیازی                |
| ۸  | شوقی و ستم ظریفی        |
| ۸  | بے وفائی                |
| ۸  | پندار و نخواست          |
| ۸  | تعمقہ و عتاب            |
| ۹  | بہر و جفا               |
| ۱۰ | سنگدلی                  |
| ۱۰ | مذلتِ حُسن              |
| ۱۱ | مادِ ماضی               |

## خیر مقدم

نہیں ہے سایہ، کہ سن کر تو یہ مقدم یاد  
گئے ہیں چند قدم پیشتر درو دیوار  
وہ آ رہا مرے بسایے میں تو سایے سے  
ہوئے سدا درو دیوار پر درو دیوار  
تو ہوا جلوہ گر، مٹا رک ہو  
ریز شش سجدہ جبین نیاز

## جلوہ گریار

کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی  
گھٹے گھٹے مٹ جاتا آپ نہایت بدلا  
گر نہیں کہبت گل کو ترے کوچے کی بوس  
کہ نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے پر بہشت  
دلاں پہنچ کر جو غشہ آتا ہے پئے ہم ہے ہم کو  
تختے ہیں جو بہشت کی تعریف مسعودت  
تیرے کوچے کا ہے مال دل مضطرب را  
بیٹھا ہے جو کہ سایہ دیوار یاد میں  
دل پھر طواف کوئے ملامت کو جاتے ہے  
پھر جی میں ہے کہ درپہ کسی کے پڑے رہاں

گھر تھا، حلال میں گر، یاد آیا  
نکلیں سجود سے میرے سنگ آستان اپنا  
کیوں ہے گردہ جملہ بن صبا ہر جا مانا  
یہی نقش ہے، ملے اس قدر آید نہیں  
صدورہ آہنگ زمیں بوس قدم ہے ہم کو  
لیکن خدا کرے، وہ ترا جلوہ گاہ  
کعبہ ایک اور بھی قبلاً اور سبھی  
فرماں روا کے کشور ہندوستان ہے  
پنڈر کا صم کہہ دیواں کیے ہوئے  
سر زریہ بار منت، دباں کیے ہوئے

## نظارۂ جمال

گیا آئینہ غمانے کا وہ نقشائے تیرے جلوئے  
کرے جو پر تو خرمشید عالم شبنمستان کا

جلوہ از بسک تقاضائے نلکہ کرتا ہے  
 نہ ہو شبن قماش دوست دہو ابے وفائی کا  
 اسے دل ناعاقبت اندیش اضبط شوق کر  
 ہوئی ہے کس قدر ارزانی سے جلوہ  
 تیرے ہی جلوے کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک  
 وہ نے گھر میں پارے خدا کی قدرت ہے  
 یہ کس بہشت شمس آل کی آمد آمد ہے  
 نظارہ کیا سدید ہوا بس برق حسن کا؟  
 ہے صاف قلعہ و سیلاب کا علم  
 جلوہ پھر عرض ناز کرتا ہے  
 نے نے کیا ہے حسن خود را کیلے حجاب  
 وہ گل حیر گلستان میں جلوہ فوان گرنے غائب  
 جلوے کا تیرے وہ عالم ہے کہ گرتے کیے خیال  
 گوش! اقبال رنجوی عیادت کو تم آئے ہو  
 وہ آیا زم زم میں بکھڑو کہیں پھر کہ غافل تھے  
 کہنے لگے تھے اس سے تعارف کا ہم ہم لگہ  
 محنت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا  
 ہوا کہ ہر سو سے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب  
 وعدے سے ہے بھڑ بھڑ ایک گل و لالہ پر خیال

جو ہر آنہ بھی چاہے ہے شرکاش ہونا  
 یہ ٹھہر صد نظر ثابت ہے دعویٰ پارسانی کا  
 کون لا سکتا ہے تاب جلوہ دیدار دوست؟  
 کہ مت ہے ترے کوچے میں ہر در و دیوار  
 بے اختیار دوڑے ہے گل در قفائے گل  
 کبھی ہم ان کو کہیں اپنے گھر کو دیکھتے ہیں  
 کہ غیر حلوہ گل 'رہ گزیر میں خاک نہیں  
 بوشش بہار جلوے کو جس کے نقاب ہے  
 آنا ہی مجھ میں مری آتا نہیں گو آئے  
 روز بازار جاں سپاری ہے  
 لئے شوق 'یاں اجازت تسلیم و پرش ہے  
 چلنا غنچہ گل کا، صدارت خندہ دل ہے  
 دیدہ دل کو زیارت گاہ حیرانی کرے  
 فروغ شمع بالین طابع بیدار بستر ہے  
 شکیب و صبر اہل انجمن کی آرائش ہے  
 کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے  
 اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کا فرہ دم نکلے  
 نظارہ خیال کا سامان کیے ہوئے  
 صد گلستان نگاہ کا سامان کیے ہوئے

راک نور ہر راز کو مکتا کے ہے پھر ننگا ۔ چہرہ فردیغ نے سے گلستاں کیے ہوئے

جمال دوست

نہ ہوا کوئی بُت آئینہ سیما نہ ہوا  
اُپر بہار، خرم کدہ کس کے دماغ کا  
کہ چمکے شیشے تو میں لائق تعجب ہی تھا  
خوشی نہ ہونہ اس کے برابر نہ ہوا تھا  
صاحب کو دل نہ دینے پر کتنا غور تھا  
سفیدی دیدہ یعقوب کی چرتی ہے ترنلع  
آپ ہی ہونہ نقارہ سوزِ پیرے میں منہ چھپا گیا  
رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے  
خُجراں حشد میں تری صورتِ گزربے  
اُس سے میرا ہر خُشیدِ جمال اچھا ہے  
کوئی بناؤ کہ وہ شوقِ تندہو کیا ہے  
بیٹھا ہے بُت آئینہ سیما سے آگے  
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں ہے

سب کو مقبول ہے دعویٰ تری یکتائی کا  
 بارغ شگفتہ، تیرا سباط نشاطِ دل،  
 جو نصف اُس کو کہوں اور کچھ نہ کہے خیر مہربانی  
 چھوڑا، مہرِ شیب کی طرح، دستِ فضلے  
 آئینہ دیکھ، اپنا سامنے لے کے رہ گئے  
 نہ چھوڑی حضرتِ یوسف نے یاں بھی غافلِ آفتی  
 سب وہ جمال و لغو، صورتِ جبرِ نعمِ روزہ  
 ہو کے عاشق، وہ پری رخ اور نازک بن گیا  
 تکیں کو ہم نہ رہیں، جو ذوقِ نظر سے  
 حسن نہ کہ جسم بہ ہنگامِ کمال، اچھا ہے  
 نہ شعلے میں یہ کیشہ نہ بقی میں یہ ادا  
 صبح کہتے ہر خود بینِ خود گداہوں نہ کیوں ہوں  
 شہینہ کیوں نہ دوں، کہ تماشا کہیں جسے

سہراپائے محبوب

یہ زمرہ بھی حریفِ دمِ افغانی نہ ہو  
کہ ہر یک قطرہ غلّ دانہ ہے سیحِ مہیاں کا  
دلف سے بڑھ کر نقاب اس شہرِ گمنام پر کھلا

ہیزہ منظر سے تراکھل کر کش نہ دے با  
میاں کیا کیجئے بیدار کاوش ہائے مژگاں کا  
مٹھ نہ کھلنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں

کم نہیں نازش ہم ناجی چشم خوں  
 تختہ شیریں میں تیرے لب کے رقیب  
 تھا گردنِ مشرقِ یار سے، دل، تادمِ مرگ  
 جب تک کہ نہ دیکھا تھا تیرا کار کا عالم  
 دل سے جتنا تری انگشتِ حسنیٰ خیال  
 آنکھ سے ہوا ہے سروِ جواں باز دوست  
 ابرو سے ہے کیا، اُس نگہ ناز کو، پہنچند؟  
 نہ میرے گریں جو بزر طراوتِ سبزِ خط سے  
 حلقے ہیں چشمِ ہائے کشتِ اوہ ہونے ل  
 جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں  
 ترے سروِ قامت سے، یک قدمِ آدم  
 دلِ آشفنگاں غالِ رنجِ دہن میں  
 ہے تیری چٹھی ہوئی اندر نقاب کے  
 لاکھوں لگاؤ، ایک چڑیا ناگاہ کا  
 طعنے سے کوئی ہے، آفاتِ تراوش، گویا  
 خدا کی ہے دعا غم کا ہے راتیں اُس کی ہیں  
 آگاہ ہیں کہیں کوئی جاتی ہیں، یارب دل کے باز  
 دل میں ہے تیرا کی مصیبتِ شرک سے مدد کی  
 نیست خانہ بیدار کاوش ہائے شرک اہل  
 کاؤ اس خرقہ کو دیکھ کر، کہ مجھ کو مستدار  
 چشمِ خوں غاشی میں بھی فوجِ داز ہے

تیرا بیمار بُرا کیا ہے، مگر اچھا نہ ہوا  
 گالیاں کھانے کے بے مزہ نہ ہوا  
 دیرِ پیکانِ قضا اس قدر آسان سمجھا  
 نہیں متقاہِ نیست نہ عیش نہ ہوا تھا  
 ہو گیا گوشت سے تعلق کا حسدِ ہرجانا  
 دُورِ جمع کشتہ تھا شاید، خطِ رخسارِ دوست  
 ہے تیرے مقرر، مگر اُس کی ہے کہاں اور  
 لگاؤ سے خانہ آئینہ میں رشتے نگارِ آتش  
 ہر تارِ زلف کو نگہِ سرمہ سا کہوں  
 خیاباںِ خیاباںِ ازلہ دیکھتے ہیں  
 قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں  
 سوید میں سیرِ عدم دیکھتے ہیں  
 ہے اک شکن پڑی طرفِ نقاب میں  
 لاکھوں بناؤ، ایک پگڑیا نقاب میں  
 دی ہے جائے دہن اُس کو دمِ ایجاد نہیں  
 تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشان ہو گئیں  
 جواہری کو تاجی قسمت سے، ہر گاہ ہو گئیں  
 حال آنکہ طاقتِ غلبہ عار بھی نہیں  
 نگین نام شاہ ہے جسے ہر قطرہ خونِ تن میں  
 ریش ہمدردِ جاں میں فرو، تو کیرنگر ہو  
 سوز نہ تو کہو کہ دُورِ شعلہ آواز ہے

دل سے تری نگاہ سب گنگا لڑ گئی  
 نقار سے نہ سہی ہم کیا وان نقاب کا  
 سامنے کی طرح ساتھ پھرنی سرو و منور  
 اس چشم فسل گر کا گنگا پائے اشارہ  
 پیر پھر پھر پیریشاں اٹھانی میں ہم نے  
 دل کو آنکھوں سے چھنایا، کیا مگر  
 دہن اس کا جو نہ معلوم ہوا  
 اچھا ہے سرگشتہ حسانی کا تصور  
 میکہ، اگر چشم مست ناز سے پارے شکست  
 کیے ہے تفل لگا وٹ میں تیرا رو دینا  
 کرے ہے بارہ ترے سب کسب بگ فروغ  
 عارض گل دیکھ روے یار یاد آیا، اسد  
 پشارہ لے دل وابستہ، بیابانی سے کیا حاصل؟  
 کئے، ترش کہیں لائے تو سانپ کھلا ہے  
 پھر کھلے گئے، ظالم تیرے قامت کی لڑائی کا  
 لبیا مین کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی  
 مختلف بطرف ہے جانتاں جو مطلق بد نظریاں  
 غریبوں میں "تسا ادا" نکلتی ہے  
 دونوں کو اک ادا میں رضا مند کر گئی  
 مستی سے ہر نگہ کے رخ پر کھجور  
 تو اس قہر و کش سے جو گلزار میں آئے  
 طوطی کی طرح آواز گھنٹا میں آئے  
 تہا سے آواز، سطرہ بائے غم بہ غم آئے  
 یہ بھی ملے ہیں تمہارے دام کے؟  
 کھٹل گئی، بیچ مدانی میسری  
 دل میں نظر آتی تو ہے اک فوندہ پوکی  
 مرنے شیشہ دیدہ ساغر کی شرکانی کرے  
 تری طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے  
 خط پایہ سدا سدا نگاہ ہمیں ہے  
 جو شش فصل بہاری اشتیاق اگیز ہے  
 مگر پھر تاب زلف پر خم کی آزمائش ہے  
 کوئی بنا ذکر وہ زلف خم بہ خم کیا ہے؟  
 اگر اس طرہ پر پہنچ دھم کا پہنچ دھم  
 قیامت گشتہ محل باں کا خراب عین ہے  
 نگاہ ہے حجاب ناز تیغ تیز عدا میں ہے  
 نگاہ دل سے ترے سر سانکھتی ہے

۱۔ شرح بخارہ جلد ۱ ص ۲۷۷، شعر عشق، سحر سوم، یادگار نادر ص ۳۱۱

۲۔ بعض شاعریں نے "خواب" کے بجائے "خواب" تحریر کیا ہے۔

زبرد چھ سینہ عاشق سے آہ تیغ نگاہ  
 کوزہ سیم رو دین دے سے ہوا بھلتی ہے  
 جس ماں سیر، شانہ کش زلف یار ہے  
 نافہ داغ آہستہ وقت تار ہے  
 منہ دہی شکل، تجلی کو طور کی  
 قسمت کھلی ترے تدویر سے نظر کی  
 جسکے ہے پھر کسی کو لب بام پڑ ہو جس  
 زلف سیاہ رخ پر پیشاں کیے ہوتے  
 پہلے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو  
 ٹہرے سے تیز دشمنہ مرگاں کیے بہتے

## حسرت نامہ

حسرت ویراں ساندی حیرت تماشا کیجیے  
 صورت نقش قدم ہوں رفتہ رفتار دو موت  
 بہت ہوا ہے گردن بیت سناہ خون خلق  
 لڑے سے ہے مورچ مئے تیری رفتار دیکھ کر  
 گروہ سرو قد کو ہم حسرت نامہ آجاوے  
 کف ہر شاہک گلشن، شکل قمری نالہ فرسا ہو  
 کیجیے تو، زلف تیری انداز نقش پا  
 دل، ہوائے خرام نامہ سے پھر  
 چال جیسے کڑی کمان کا تیر  
 مورچ حسرت نامہ یار بھی کیا کل گستاخی  
 محشرستان ہے قراوی ہے  
 دل میں ایسے کے جال سے کوئی

## نزاکت

ہے کیا جو کس کے ہاتھ سے میری بلا ہے  
 کیا باتا نہیں ہوں تہساری کمر کو میں  
 شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں  
 دیکھتے ہیں آج، اُس بیت نازک بدن کی پافر  
 اگرچہ تھا یہ ارادہ، مجھ حشر کا شکر  
 اٹھا مکا نہ، نزاکت سے گل بدن نکھر  
 اس نزاکت کا بُرا ہوا وہ جھلے میں تو کیا  
 ہاتھ آویں تو انہیں ہاتھ لگانے نہ سنے



## شرم و حیا

شب کہ وہ مجلسِ فدا و خلوتِ ناموس تھا  
کرتا ہے بس کہ باغ میں تو بے حجابیاں  
غیر کو، یارب، وہ کیونکر منع گستاخی کرے؟  
رشتہ ہر شمع، غارِ کسوتِ فائز سے تھا  
آئے گی ہے نکبتِ گل سے حیا بھ  
گر حیا بھی اُس کو اتنی ہے تو شراب ملتے ہے

## کرمِ حسن

بُٹے گلِ نازِ دل، دودِ چہرہ باغِ عقل  
قلم نہ، بس کہ حیرت سے نفس پر در ہوا  
اہلِ بندش نے یہ حیرت کہ نہ شوخی ناز  
تو شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم؟ جب لب لباب گے  
دیکھ کر تجھ کو، چمن بس کہ ٹوکر تار ہے  
قرب و حسن سے ہوتی ہے حلِ مشکل عاشق  
سلطنت سے تیرے جلوہ حسنِ بغیر کی  
ہیر گئے ہیں بیخ، ابروئے نگاہِ آفتاب  
ہوئے تھیں نہ ہوش کے جلوہ قتال کے آگے  
دیکھنا اعتدال کی لذت کو جو اُس نے کہا  
جس بزم میں تو باز سے گفتار میں آوے  
اپنی آسوائی میں کیا چلتی ہے سعی  
گردشِ ماضی یہ جدِ جلوہ نہیں آجھ سے  
نہ عیشِ شہر ہی پر دل میں جب اتر آوے

جو تری بزم سے نکلا، سو پریشاں نہ تھا  
خطِ جام نے، سراسر رشتہ کو ہر ہوا  
جو ہر اکشتہ کو طوطی بسمِ یار نہ تھا  
لے آئیں گے بازار سے جا کر دل و جاں اور  
خود بخود پیچھے ہے گلِ گوشہ و ستار کے پاس  
نہ نکلے شمع کے پاس نہ لے کر بخارِ آتش  
خوں بے مری نگاہ میں رنگ، اولے گل  
ذرے اُس کے گھرنی دیواروں کو زین نہیں  
پرافشاں جو ہر آئینے میں شعلہ ذرہ و ذراں میں  
میں نے یہ جانا کہ تو ایہ جی یہ سے دل میں آج  
جاں کا لبِ صورتِ دیوار میں آوے  
یار ہی ہنکا مگر اچا ہے  
آرتہ واری کاب دینہ میراں مجھ سے  
نگاہ و اندکھ کو چھ کھوں نہ آشنا کیے

شہر و آئین پر مدار سہی  
 ایسے قاتل کا کیس کرے کوئی  
 بزم سے ہشت کدہ ہے کسی کی چشم مست کا؟  
 شیشے میں نبض پری پہاں ہے مریج بادے  
 آئینہ باندا ز گل آغوش کشا ہے  
 مثال میں تیری ہے وہ شونہی کہ بعد ذوق

## سادگی و پرکاری

سادگی و پرکاری، سب سے خودی و ہشیاری  
 حسن کو تغافل میں جرات آزمایا  
 سادہ و پرکار ہیں خواب غالب  
 ہم سے پیسہ بے وفا باندھتے ہیں  
 لڑتے ہیں اور ہاتھ میں بھی تلوار بھی نہیں  
 اس سادگی پر کون تر جاسے اسے خدا !  
 بیہات ایکوں نہ لوٹ گئے پیرزن کے پافر  
 سادگی سے جان پرٹوں کو کہن کے پافر  
 بس نہیں چلتا کہ پھر خوش کف قاتل میں ہے  
 سادگی پر اس کی مر جانے کی حسرت دلی ہے  
 جی میں کہتے ہیں کہ صفت آئے تو مال اچھا ہے  
 بصر دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر خطہ نگاہ

## ناز و ادا

کہتے جوتہ ز دیں گے ہم دل گھر پڑا پایا  
 دل کہاں کہ گم کجھے؟ ہم نے تدعا پایا  
 شمار سحر و خوب ریتِ خشک پسند آیا  
 تماشائے بیک کف بردنِ صمد دل پسند آیا  
 گم شکستہ، صبح ہوا بظہار ہے  
 یہ وقت ہے شگفتن گل ہائے ناز کا  
 سے جاں سے غالب اس کی ہر بات  
 عبارت کیا، اشارت کی، ادا کیا  
 اس کو پہلے ہی ناز و ادا سے سے بیٹھے  
 میں دماغ کہاں حسن کے تقاضا کا؟  
 غالی مجھے دکھلا کے بوقتِ سفر انگشت  
 اسے ترا مسلم، سر بردار انداز  
 غالی ہے نشانی، ترا پھلے کا نہ دینا  
 اسے ترا غمزہ، یک قلم انگیز  
 حکم میں ہر اک بیاد ناز کے ملے ہوئے  
 اسے ترا غمزہ، یک قلم انگیز  
 جلوہ گل کے سرا، گرد اپنے دھن میں نہیں

عہد سے صبر ناز کے باہر آ سکا  
مشتہ فخرہاں ستمان ناوک ناز بے پناہ  
چرخش طرزد بسری نیکی کیا؟ کہ بن کہے  
مزا بے لہو کیا خاک ساتھ مونسے کا؟  
حسں میں حور سے بڑھ کر نہیں بننے کے کبھی  
نقش کو اُس کے معصوم پر بھی کیا کیا ناز میں  
زہے کہ شہرہ کر دیں نے نکالے ہم کو فریب

گر ایک ادا ہو تو اُسے اپنی قضا قبول  
تیرا ہی عکس منہ سہی سامنے تیرے کسے کھول  
اُس کے ہر ایک اشارے سے نکلے جو یاد اور لب  
لہ رکھے جو نکاح میں وہ شورش سیم تن تلیہ  
لہ آپ کا شیعہ و انداز واداد اور سہی  
کھینچتا ہے حسن قدر آنا ہی کھینچتا چلتے ہے  
کہ بن کہے بھی آپس میں خبر نہ کیا کیا ہے

حُسْنِ تَعَاوُلِ

ظلم کر غلام، اگر ظلم و دریغ آتا ہو،  
جان کر کے تجھے تغافل کر کچھ ہمیں بھی ہو  
لیتا نہیں مرے دل آوارہ کی خبر  
تھے شائق سے بھی دل فریب یا رب کب تلک  
بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی  
کیوں نہ بر چشمِ بختان تجھ تغافل، کیوں نہ مجھ  
لڑتا ہے مجھ سے حسرتیں قاتل، کیوں اٹھتا

## تجاربِ عارفانہ

بے نیازی حد سے گزری، بندہ پھر کب تک ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرماویں گے کیا

تجاہل پیشگی سے مدعا کی ہے؟  
 کہیں جرمی تو کہتے ہو: مدعا کی ہے؟  
 کہاں ٹکڑے سر یا ناز: کیا کیا؟  
 کوئی بت لاؤ کہ ہم بتلا میں کیا؟  
 تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو: تو کیا کیے

## بے التفاتی و بے اعتنائی

عاقبت دشت خدایا ہے کیا کون ہے؟  
 جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا؟  
 لاک بڑا تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ  
 کہ پشتِ چشم سے جس کے ہنر و نیر میں کیا؟  
 میں اور صد ہزار تو اسے جگر و شمشیر  
 تو اور ایک وہ نہ شنیدن کہ کیا کہوں  
 عیادت ہے کہ سن لیا کا دشتِ قیس میں آتا  
 تعجب سے وہ بولا: یوں بھی میرے زمانے میں؟  
 جو جاؤں وہاں سے کہیں کو تو "خیر باد" نہیں  
 رکھتا ہے سند سے کھینچ کے بابر لگن کے پائوں  
 اس طرف تھا کہ اندازِ جبر و جبر میں  
 اس جیتے میں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے  
 کہ دعا بھی کہاں کو یاد لئے نہیں دیتے  
 یا الہی، یہ ماجرا کیا ہے؟

ہم میں مشتاق اور دو بیزار  
 کب دوستانہ کہانی میری  
 بجا ہے مگر نہ سنے نار یا بے ملل ناز  
 کہ گوشِ گلِ نامِ شبنم سے چنبہ لگیں ہے  
 میں جواب سے قطع نظر ہے کیا کیے؟  
 جانتا ہے نورِ سسبانی سے پہچانی ہے  
 عشق و بے وصلگی طرہ بلا ہے

## بے نیازی

پوچھ مت دُعا کی انداز استغاثے میں  
تھی خیر گرم کو غالب کے لڑیکے پڑنے  
ہمیں پھر اُن سے امید اور اُنہیں باری قدر  
غالب "حوالہ سنا دیں گے ہم اُن کو  
غالب تمہیں کہہ کہ بے گما جواب کیا؟  
نفس تیس کہ ہے چشم و چراغ صحر  
حُسن بے پروا حسن ریاض تارِ جلوہ ہے

## شوخی و ستم ظریفی

میں نے چاہا تھا کہ اندوہ و فاس سے پھر لوں  
دُور پہ رہنے کو کہا، اور کہہ کے کیسا پھر گیا  
رہزنی ہے کہ دل ستمانی ہے  
کہتے ہیں سبب رہی نہ مجھے طاقت سخن  
گھر جب بنالیا ترسے در پر، کبھی غیب  
میں نے کہا کہ "بزمِ از چاہیے غیب سے تہی"  
نکا لا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب  
قمر خانے پہ آنے کی میرے کھاتے ہیں غالب  
میں انہیں چھٹیڑوں اور کچھ نہ کہیں  
مجر کے کہتے ہیں بازار میں وہ پریش حالی

وہ ستم گر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا  
جتنے عرصے میں مرا پٹا ہوا بسترِ کھرا  
لے کے دلِ داستان روانہ ہوا  
"جاؤں کسی کے دل کی نہیں کیونکہ کبے بغیر  
جانے گلاب بھی تو نہ مرا گھر کبے بغیر  
سُن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کیوں  
تسے بے مہر پہنے سے وہ تجھ پر مہر پاں کیوں  
میں کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے  
پہل نکلتے، جو نے سپے ہوئے  
کہ یہ کہتے کہ "سرِ گندہ سے کیا کیسے؟"

## بیوفانی

وہاں ہر وقت چہرہ ہوا زنجیرِ رسوائی  
فل دیا جان کے کیوں اُس کو فدا راہِ استد  
تا کرے نہ خست آزی کر لیا ہے دشمن کو  
ہوشت کرو فابہ، فریب اُس پہ کیا چلے؟  
ابہیں منظور اپنے رحسمیں کا دیکھ آٹھا

ہر دم تک بیوفنا چہرہ تیری بے وفائی  
فلکی کی کہ جو کافر کو مسلمان سمجھا  
دوست کی شکایت میں ہم نے ہم زبان اٹھا  
کیوں بدگیاں ہوں دوستِ دشمن کی باب میں  
اُسے تھے سیرِ گل کو دیکھنا شرف پہلے کی

## پندار و نخت

کبھی لاتی ہے اُس شرح کی نخت کی دنگ  
میں جو کہتا ہوں کہ ہم نہیں گے قیامت میں نہیں  
اُجھتے ہر دم، اگر دیکھتے ہو آئینہ  
ہے وہ غرورِ لُسن سے بگڑا وفا  
نکھے اُس سے کیا توقع بزمِ نہ جوانی  
ہر ایک بات پر کہتے ہر دم کہ "تو کیا ہے؟"

اُس کی ہر بات پر ہم "تاہم خدا کہتے ہیں"  
کس بخت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم جو نہیں  
ہو تم سے شہر میں ہوں ایک تو کوئی نہ ہو  
ہر چہ اُس کے پاس دلِ آتش ہے  
کبھی کوئی کہ میں جس نے نہ سنی میری کہانی  
تمہیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے؟

## غصہ و عتاب

مرد کا گرم سداقی رہی تسلیم مضبوط  
دکڑیو بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں  
ہل گیا بھی میں تو ان کی گائیوں کا کیا جواب؟  
یاد دیکھی میں ان کی غشیں،

شمارِ خس میں جیسے خوں رگ میں نہاں ہو گیا  
غیر کی بات چڑ جائے تو کچھ غور نہیں  
یاد تھیں جتنی دعائیں صرف دریاں ہو گئیں  
پر کچھ اب کے سرگردانی اور ہے

اللہ سے تندی خوشی کے ہم سے  
بات پرواں زبان کشتی ہے  
گرمی ہی کلام میں لیکن اس قدر  
اجزائے نالہ دل میں مرے نفی ہے  
وہ کہیں اور سنا کرے کوئی  
کی جس سے بات لئے شکایت ہو

## جور و جفا

ہولے سیرنگ، آئینہ بے ہری قال  
فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اس کو یاد اسد  
مہر بانی ہائے دشمن کی شکایت کیجیے  
کلام اُس سے آہڑا ہے کہ جس کا بہانہ میں  
کیا آبروئے عشق، جہاں عام بوجھت؟  
سے خانہ چہرہ میں یہاں فلک بھی نہیں  
دہن شیر میں جا بیٹھے، لیکن اُسے دل  
بھول دھپا، اُس سے راپانا زکاشیوہ نہیں  
جیاں ہے بھانے ہوسے ولے کیوں کچھ بھی؟  
ابھی ہم قتل گد کا دیکھنا آسان سمجھتے ہیں  
پلٹے کو دیکھتے نہیں، ذوق ستم تو دیکھ  
کیا وہ بھی بے گزشتہ وق تاہناں ہیں؟  
یہی ہے آذنا، توستان کس کو کہتے ہیں؟  
ظلم تو دنیا سے گزرا ہی بھی فرصت سر اٹھانے کی  
بیداد و فادیکھ، کہ حاقی رہی آشہر  
قابع اسار ہیں اکشر بخوم

کہ اندازہ تحمل فطیدین بیل پسند آیا  
جہاں اُس کی، سہ اندازہ کافر سدا کا  
یا بیاں کچھ سپاس لقت آزا بدست  
لیوے و کوئی نام ستم گر کہے بغیر  
رکتا ہوں تم کو بے سلب آزار دیکھ کر  
خجیازہ کھینچے ہے بُت ہے وادفن ہونہ  
تہ کھڑے ہر جیسے خویاں دل آزار کے پاس  
ہم ہی کر بیٹھے تھے، غالب پریشانی ایک شان  
غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیم جاس نہیں  
نہیں دیکھا شاد دھچکے غول میں تیرے تو سن کو  
آئینہ تاکہ دیدہ پنجیر سے نہ ہر  
مانا کہ تم بشر نہیں، خرشیدو ماہ ہر  
عدو کے چولے جب تم تو میرا امتحان کیوں ہو  
فلک کا دیکھنا، تقریب تیرے یاد آنے کی  
ہر چند مری جان کو تھا رابطہ لبوں سے  
وہ بلائے آسمانی آند ہے

کیوں نہ چسپوں؟ کو یاد کرتے ہیں  
 پھر اُسی بے وفا پہ مرتے ہیں  
 تیری دُعا سے کیا جوتلفانی؟ کہ دہریوں  
 اس ملک میری گرفتاری سے وہ خوش ہو کر ہیں  
 معلوم ہوا حبلِ شہیدانِ گزشتہ  
 گردِ اُس سب سے پیدا دُومست جان کجیے  
 ملک نہ دور رکھو اُس سے تجھے لک میں جانی ہیں  
 میری آواز گزیر نہیں آتی  
 پھر وہی زندگی ہماری ہے  
 تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوتے  
 زلف گر بن جاؤں تو مٹانے میں اُٹھا دیتے  
 تیغِ بستم آئینہ تصویرِ نسا ہے  
 وہی نہ نظر نہ ستم کوئی، آسمان کے لیے  
 دروازہ دستی قاتل کے امتحان کے لیے

## سنگدلی

کیا سینے میں جس کو نچکاں شرکابِ سوزن کو  
 کہے کے کچھ نہ ہوا، پھر کہو، تو کیونکر ہو  
 بچے تم دوست جسکے دشمن اُس کا آسمان کیوں ہو  
 نغمہ پڑھا ہے وہاں گر نالہ میرا جلے ہے  
 کس دستِ دردِ دشمن سے دیکھا چاہیے  
 وہاں تو "میرے نالے کو مٹی" اعتبارِ نغمہ ہے  
 کھلا آنکھ سے تیری اک آنسو اُس جرات  
 جی وہ بات کہ ہو گفتگو، تو کیونکر ہو  
 ستارہ آدمی کی خانہ دیرانی کو کیا کم ہے؟  
 چرخِ چشمِ بند تری بزمِ طرب سے ادا، واہ! واہ!  
 دشمنی نے میری کھویا بغیر کو  
 شینِ مت کہ کہ بزمِ گردِ بزمِ عیشِ دوست

## عدالتِ حُسن

پھر کھلا ہے درِ عدالتِ ناز  
 ہو رہا ہے جہان میں اندھیر  
 گرم بازارِ فوجِ باری ہے  
 زلف کی پھر سرِ رشتہ واری ہے  
 پھر دیا پارہ جیگر نے سوال  
 ایک فریاد و آہ و نزاری ہے  
 پھر ہرے میں گواہِ عشقِ طلب  
 اشکِ باری کا حکم جاری ہے



دل و مٹکاں کا جو مقدمہ تھا آج پھر اس کی رو بکاری ہے  
دل مٹی و دیرہ بنا دیا علیہ نگارے کا قدم پھر رو بکار ہے

### یادِ ماضی

دل تا جگر کے ساحل دریلے خوں سے اب اس رہ گزرمیں جلوہ کُل آگے گرد تھا  
وہ فداق اور وہ وصال کہاں؟ وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں؟  
فصلتِ کار و بارِ شوق کیسے؟ ذوقِ نگارہ جسمال کہاں؟  
دل تو دل، وہ دماغ بھی نہ رہا، شورِ سودائے خط و خال کہاں؟  
تھی وہ اک شخص کے تصور سے اب وہ رعنائی خیال کہاں؟  
وہ یادِ شبانہ کی سرستیاں کہاں؟ اُٹھیں بس اب کہ لذتِ خوابِ محرم گئی  
حالتِ ہوتی ہے یار کو مہماں کیسے ہوئے جوشِ قدح سے بزمِ چراغاں کیسے ہوئے  
مکرتا ہوں جمع، پھر جگرِ لخت لخت کو عرصہ ہوا ہے دولتِ مٹکاں کیسے ہوئے



رُودادِ غم

تخلصِ غمِ سَدهِ غمِ زینِ پرچمِ  
و بکلمهٔ خوشِ برفشانی میی



نام و پیام

۱۱۷

الحب

۱۱۷

وعدده و قسم

۱۱۷

کیفیت انتظار

۱۱۸

بهار غم کده

۱۱۸

بهر و فراق

۱۱۹

غمزه اشک

۱۲۰

شعله نوائی

۱۲۲

ضعف و ناتوانی

۱۲۳

علم کشمکش

۱۲۳

سوز مایش

۱۲۵

|    |                     |
|----|---------------------|
| ۲۵ | ترجیه و التفات      |
| ۲۵ | در ماندگی و بیچارگی |
| ۲۴ | ناکامی و محرومی     |
| ۲۸ | وقت و رسوائی        |
| ۲۹ | خانه ویرانی         |
| ۲۹ | جنون و وحشت         |
| ۳۱ | فوق‌السیری          |
| ۳۲ | پادشاه علی          |
| ۳۲ | دربار عشق           |
| ۳۳ | یاد و یاد دانی      |
| ۳۳ | ثمره شهادت          |
| ۳۳ | پیشانی و ندامت      |

## نامہ و پیام

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پارسی مکتوب  
 کا صد کے آتے آتے، خط ایک اور لکھ لکھوں  
 نے کے خط، منہ دیکھتا ہے نامہ بر  
 خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو  
 پھر جاتا ہوں نامہ دلدار کھولنا  
 مگر ستم زدہ ہوں، ذوق خامہ فرسا  
 میں جانتا ہوں، جو وہ لکھیں گے جواب میں  
 کچھ تو پیمانہ زبانی اور ہے  
 ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے  
 جاں نذر و لفریبی حوالہ کیے ہوئے

## التجس

رحم کر عالم، کہ کیا بُد چارِ کشتہ ہے  
 "ہاں" بھلا کر، ترا بھلا ہوگا  
 آندہ ہے نزع میں، چل بیوفا برائے خدا  
 نبض بیارِ وفا، قود چارِ کشتہ ہے  
 اور درویش کی صدا کیا ہے؟  
 مقامِ ترکِ حجاب و ودا بر تمکین ہے

## وسدہ قسم

ترسے وعدے پر تبے ہم قریہ جان جھڑ جانا  
 تری ناز کی سے جانا کہ بندھا تھا مہرِ بودا  
 یہ قاتل، وعدہ صبرِ آزما کیوں؟  
 ہم ہر رستا ہی نہیں بچھ کو ستم گر، ورنہ  
 نامہ پھر نہ، انتظار میں، نیند آنے مگر بھر  
 تم ان کے وعدے کا ذکر ان سحر کیوں کر غالب  
 سزا اسنے کے جو، وعدے کو مکتور چانا  
 کہ خوشی سے مر نہ جاتے، اگر استبداد ہوتا  
 کبھی تو نہ توڑ سکتا، اگر استوار ہوتا  
 یہ کافرتِ فطرتِ طاقتِ ربا کیا؟  
 کیا قسم ہے ترسے بننے کی کہ کھا جی بکلا  
 آنے کا عہد کر گئے، آنے جو خواب میں  
 یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ "یاد نہیں"  
 ہنس کے بولے کہ تو نے میری قسم ہے جو

خدا کی بے اور بات، مگر غمخوئی نہیں  
 وعدہ آنے کا دنا کجے، یہ کیا انداز ہے؟  
 زبانوں کی کڑکھٹنے داغ طعن بد مہدی  
 سر بر جوتی نہ وعدہ صبر آواز سے عمر  
 جھک آپڑی ہے وعدہ دلدار کی بجھے  
 نہ مشر و نشر کا قائل، نہ کیش و ملت کا

بھولے سے اُس نے سیکڑوں دھن سے  
 تم نے کیوں سوئی ہے میرے گھر کی زبان بجھے  
 جگھے کر آتے بھی درد طبع نہ علامت ہے  
 فرصت کہاں کہ تیری قسمت کر کے کوئی  
 وہ آئے یا نہ آئے، یہ یاں انتظار ہے  
 خدا کے واسطے ایسے کی پھر قسم کیا ہے؟

## کیفیت انتظار

بھولے جیسے سرسودائے انتظار، تو آ  
 وصال جسدہ تماشا ہے، پروا ملے کہاں؟  
 یہ ہم جو بھر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں  
 کہتے تو جو تم صبر کہ بُت غالبہ ہو آئے  
 قبل مقصد نگاہ نیاز  
 آ کہ مری جان کو قرار نہیں ہے  
 جس کا شرع ملوہ ہے حیرت کو لے خدا؟

کہ ہیں دکان مست باغ نظر درد و دیوار  
 کہ دیکھے آئینہ انتظار کو پر دیوار  
 کبھی صبا کو، کبھی نامہ پر کو دیکھتے ہیں  
 یک مرتبہ گھبرا کے کہ کوئی کہ وہ آئے  
 پھر وہی پردہ عساری ہے  
 طاقت بیدار انتظار نہیں ہے  
 آئینہ فرش شش جہت انتظار ہے

## بہارِ غم کدہ

کیا کہوں تار کی زندانِ غم؟ اندھیر ہے  
 یاں کس سے برفِ شکر گسری میرے شیشا کی؟  
 ہے سبزہ ناز، ہر درد و دیوار غم کدہ  
 غم کدہ ستم زدگان کا جہان ہے

پنیر، فوہ صبح سے کم جس کے وزن میں نہیں  
 شیشے ہو جو رکھوں پنیر دیواروں کے روزن میں  
 جس کی بہار یہ ہو پھر اُس کی خزاں نہ پوچھو  
 جس میں کہ ایک بیضہ مورا آسمان ہے



فلت کہے میں میرے شب غم کا جوش ہے ایک شمع ہے وہیں بحر، سو غم و شمس ہے

## ہجر و فراق

کا و کا و سخت جانہا تے تنہائی نہ پڑھ  
تاریخ کا دوش غم بحر میں ہوا است  
یاں سر پر شور سے غرابی سے تھا دیوار جو  
یاں نفس کرتا تھا روشن شمع بزم بے غدی  
قرش سے تاعرش و اں طوفاں تھا صبح رنگ کا  
مگر نہ اندوہ شب فرقت بسیار ہو جائے گا  
زیر و اگر ایسا ہی شام ہجر میں میرا جو آب  
علم فراق میں تکلیف سیر باغ نہ دو  
دم بیا تھا نہ قیامت نے ہنوز  
در و دل نکاحوں کب تک باقی اُن کو کھلا  
نظر میں کٹکے سے بن تیرے گھر کی آبادی  
بھی اب دیکھ کر ابیر شفق آلودہ یاد آیا  
کب سے ہوں کیا بتاؤں جہان خراب میں  
نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں  
جوئے غلہ آنکھ سے بہنے دو کہ ہجر و فراق  
آنکھ نہیں نہیں غالب اے بقول حفید  
شب فراق میں یہ حال ہے ایزت کا لے کر سانپ فرش ہے اور سانپ کا ہجر میں عیہ

صبح کرنا شام کا، لانا ہے جوئے شیر کا  
سینہ، کہ تھا دینہ گہرا تے راز کا  
واں وہ فرق ناز، جو بالمش کھڑا تھا  
جلوہ گل و اں بساط محبت احباب تھا  
یاں نہ میں سے آسمان تک غنیمت کا بلیا تھا  
بے تکلف داغ نہ ٹہر دیاں ہو جائے گا  
پر تو مہتاب سبیل خافاں ہو جائے گا  
بکھے دماغ نہیں خندہ ہاتے بے جا کا  
پھر ترا وقت سفر یاد آیا

انگلیاں نگار اپنی خامہ خوچ کاں اپنا  
میشہ روستے میں بڑ دیکھ کر درد دیوار  
کہ فرقت میں تری آتش برسی تھی گلستان  
شب ٹائے ہجر کو بھی رکھوں اگر حساب میں  
شب فراق سے روز جزا آیا نہیں  
میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں  
فراق یاد میں تسکین ہو تو کیونکر ہو  
شب فراق میں یہ حال ہے ایزت کا لے کر سانپ فرش ہے اور سانپ کا ہجر میں عیہ

تکلیف پر وہ داری جسمِ گلگون  
 کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزرتی  
 صورتِ دود، رہا سیرِ گریز ان مجھ سے  
 سایہِ خورشیدِ قیامت میں بچو نہاں مجھ سے  
 شعارِ آفتاب صبحِ محشر، تارِ بستر ہے  
 قناسے شکوہ میں کس مست در ہے کیا کیسے  
 نئے قندیں میں اب چہرچہ کہن کی آزیں  
 خود دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا سے آگے  
 مری قیامت میں یوں تصویرِ شہاں بچاں کی

شق ہو گیا ہے سینہ خوشا الفتِ فراق  
 فردا دے گا تفرقِ یک بارِ مٹ گیا  
 وحشت، تشبہ دل سے شبِ تنہائی میں  
 بیکسی نئے شبِ بچر کی وحشت رہے ہے  
 بطرفِ آگاہِ جوشِ اضطرابِ شامِ تنہائی  
 یہ نہ کہ آج نہ آؤسے اور آؤسے ہی نہ ہے  
 وہ آؤسے کے سرے گھر و عہد کیسا دیکھنا غائب  
 مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے  
 سیاہی جیسے گرماؤسے دمِ تحریر کا غدا پر

## نغمہ اشک

آہ، جو قطرہ نہ نکلا تھا، موطوساں نکلا  
 قیامت سے، مرثکِ لودہ ہونا تیری مرگاں کا  
 گریہ سے ایں پنبہِ بالمش، کفِ سیلاب تھا  
 یاں بجومِ اشک میں تارِ نگہ نایاب تھا  
 یاں روانِ مرگاں چشمِ تر سے خونِ تاب تھا  
 اُس کے لبِ گریہ میں گمِ دُوں کفِ سیلاب تھا  
 خونِ جگر، و دیعتِ مرگاں یارِ صحت  
 درودِ یار سے نپکے ہے سیاہاں ہونا  
 مری نگاہ میں ہے، جمع و خرچِ ذریا کا  
 یہ میکہ، خواب ہے نے کے سرخ کا

دل میں پھر گریہ نے اک شہر اٹھایا، غائب  
 نہیں معلوم، کس کس کا لہو پانی ہوا ہونگا  
 داں کرم کو مذہبِ ارش تھا عیاں گیرِ حرام  
 داں خود آرائی کو تھا موتی پر وئے کا نیسال  
 جلوہ گل سے کیا تھا داں چسپاں آفتاب  
 کس نے روکا راتِ غائب کو، و گزرتے دیکھتے  
 ایک ایک قلعے کا، مجھے دینا پڑا حساب  
 گریہ چاہے ہے خرابی سے کاشانے کی  
 کہ کہ گریہِ بختِ دارِ حسرتِ دل سے  
 لے خونِ دل ہے چشم میں، مینجِ گلِ غدا پر

آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا  
 سیلاب گمہ درپے دیوار دور ہوا تھا  
 کوگر پڑے نہ برے پافر پڑا دور و دیوار  
 کہ ہو گئے مرے دیوار دور دور و دیوار  
 ہوتے ہو کئی دیدہ خوتا برقصاں اور  
 جس سے شرکاء ہوئی نہ ہر گلاب  
 رنگ ہو کر اڑ گیا، جو خوں کہ دامن میں نہیں  
 کھل گئی مانند گل، سو میرا سے دیوار جس  
 نہ کھینا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہر گشت میں  
 کتب سیلاب باقی ہے، رنگ نیند زن میں  
 وہیں گے ہم نزار بار کئی ہمیں ستارے کیوں  
 پاس ہے رونقی دیدہ، آہم سم ہے ہم کو  
 یک بیاباں جلوہ گل، فرش پا انداز ہے  
 جب لخت جگر، دیدہ خوں بار میں آوے  
 جب آنکھ سے ہی نہ لپکا، تو پھر نہ کیا ہے  
 دیکھ غوغا بہ فشان میری  
 دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے  
 آخر کبھی تو عتدہ دل واکرے کئی  
 شرقی غماں سیختہ، دریا کہیں جسے  
 سازِ حسین طرزی داماں کے مجھے  
 بیٹھے ہیں ہم تہیہ طوفاں کے ہرے

کوفیق با اندازہ ہمت ہے ازل سے  
 اے عافیت، کنارہ کر، اے انتظام، محل  
 ہر گم گمہ کا سامان کب کیسا میں نے  
 وہوہر اشک نے کاشلنے کا کیا یہ رنگ  
 ہے خوں جگر جوش میں دل کھول کے دوتا  
 نہیں دل میں برے وہ قطرہ خوں  
 ضعیف سے، اے گریہ کچھ باقی ہے تن میں نہیں  
 پر شاگل گریہ عاشق ہے، دیکھا چاہیے  
 یونہی گرد روتا رہا غالب، تو اسے اہل جہاں  
 ہوئی ہے مانع ذوق تماشا، حسد ویرانی  
 دل ہی تو ہے نہ سنگ فحشت، ہوس پھر نہ کچھ  
 دل کے خوں کرنے کی کیا وجہ؟ و لیکن ناچار  
 دست گاہ دیدہ خوں باہر جستنوں دھینا  
 تب ناز گراں مانگی اشک بجا ہے  
 رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل  
 فحش غوغا خوں ریزہ پوچھ  
 دھوئے سے، اور عشق میں بیباک ہو گئے  
 دھوئے سے، اے ندیم، ملامت نہ کر مجھے  
 ہے چشم تریں حسرت دیدار سے نہاں  
 پھر پھر رہا ہوں غامہ شرکاء بخون دل  
 غالب، ہمیں نہ پھیل کہ پھر جوش اشک سے

یلا سے، گرم تر یا درخشندہ عین ہے رکھوں کچھ اپنی بھی ترکانِ خوشنشاں کے لیے

## شعلہ نوائی

یاد اتوں میں جو تیر کا، ہوا ریشہ نیستی کا  
 طعنے ہوں ایک ہی نفس جانگزا کا  
 تھا سپتہ بزمِ وصل غیر، گو بے تاب تھا  
 یادگارِ نالہ، یک دیوان بے شیرازہ تھا  
 خاک کا ذوق ہے، وہ قطرہ کہ دریاد ہوا  
 غینے کی آہ، لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا  
 تیرے چہرے سے ہوا ہر غم پنہاں ہوا  
 آہ نفس، کس شکارِ اثر ہے آج  
 سرگرمِ نالہ ہائے شہر بار دیکھ کر  
 اور ہر کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں  
 ہیں جس، سویرائے دل و چشم ہیں، آہیں  
 بلبلیں سن کر مرے لئے غزل خواں ہو گئیں  
 میری آہیں، بختِ چاک گریباں ہو گئیں  
 آخر ز لولے مرغِ گرفتار بھی نہیں  
 یعنی، یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو  
 کہ ہوگا باعثِ افزائش دردِ دروں وہ بھی  
 ہر کوئی، در ماندگی میں نالے سے مجبور ہے  
 تب اماں بھر میں دی پردہ لیلیٰ نے مجھے

نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مافع میرے نالوں کو  
 صرف ہے ضبطِ آہ میں سیرا، وگرنہ میں  
 نالہ دل میں شبِ اندازِ اثر نایاب تھا  
 نالہ دل نے دیے، اور باقی بختِ دلِ نیاز  
 سینے کا داغ ہے وہ نالہ کہ لبِ شک گیا  
 ہمتِ بارِ عشق کی خانہ صفتِ ابلی دکھنا  
 رخصتِ نالہ مجھے دے کر مبادا! ظالم  
 آتا ہے ایک پارہ دل ہر فغاں کے ساتھ  
 نقشِ پرست کہتے ہیں اہل جہاں مجھے  
 دل میں آجاتے ہیں ہوتی جو فرصتِ غم  
 صحتِ مرقوبِ دیدہ میں سمجھو یہ بنگا، میں  
 میں جہی میں کیا گیا، گویا بدستِ کھل گیا  
 سکرِ فکا میں تے اور سینے میں آج بے پے  
 نالہ ہائے دار سے میرے خدا کو مان  
 ہاں میں کو بولِ دل ہے تیاں میں ہوں خرد  
 کرتا کاش نالہ! مجھ کو کیا معلوم تھا، ہدم  
 ک سے پانی میں بجھتے وقتِ اُٹتی ہر صدا  
 دمِ یاد رکھا شکلِ نہالی نے مجھے

نالے عدم میں چند ہمارے پُر دھتے  
 والے گستاخ استغنا ہر دم ہے بلندی پر  
 فساد کی کوئی نے نہیں ہے  
 ہجوم نالہ حیرت عاجز عرض یک انفعال ہے  
 پھر گرم نالہ ہائے شہر بارہے نفس  
 قمری کتب خاکستر و جلیل تفسیر رنگ  
 وہ تپ عشق توتا ہے کہ پھر صورت شمع  
 جی جلے ذوق فنا کی تاساچی پر نہ کیوں  
 بوداں نہ کھینچ سکے سودہ یان کے مجھ سے  
 یان نالے کو اور اُن دعوائے رمانی سے  
 نالہ یا بسندے نہیں ہے  
 خموشی ریشہ عدنیات میں شمس بدندان  
 مدت ہوئی ہے سیر چراغاں کیے مجھ سے  
 اسے نالہ نشان جگر سرخستہ کیا ہے  
 شعلہ آتشفشان جگر شعلہ روانی مانگے  
 میں نہیں ملتا، نفس ہر چہ شعلہ بارہے

## ضعف و ناتوانی

مرگیا صدرم یک جنبش لب سے غالب  
 دماغ عطر چہرا میں نہیں ہے  
 سفر عشق میں کل ضعف نے راحت طلبی  
 غمزدہ و ماندگی، اسے حسرت دل  
 مرنے کی، اسے دل، اور ہی تدبیر کر نہیں  
 ہم نے مانا کہ تعقل ذکر و گئے لیکن  
 مضمحل ہو گئے تو، غالب  
 ہر وقتا ضعف میں کیا ناتوانی کی نمود  
 ضعف میں طعنہ اغیار کو شکوہ کیا ہے؟  
 دل کو نسیب از حسرت دیدار کر چکے  
 یہ عشق عسکر کث نہیں سکتی ہزاروں  
 ناتوانی سے حریف دم عیسیٰ نہ ہوا  
 غم آوارگی ہائے صبا کیا؟  
 ہر قدم سائے کو میں اپنے شبستان سمجھا  
 نالہ کرتا تھا، جگر یاد آسا  
 شایان دست و خنجر قاتل نہیں رہا  
 خاک ہو جائیں گے ہم تم کو تیرے ہونے تک  
 وہ عن مصر میں استلال ہاں  
 قد کے چھیننے کی بھی گنجائش سے تن میں نہیں  
 بات کچھ سرتو نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں  
 دیکھا تو، ہسم میں طاقت دیدار بھی نہیں  
 طاقت، بے تیرے لذت آزاد ہی نہیں

تنجائش عداوت اظہار یک طرف  
 چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگ اختلاف کا  
 ضعف سے نقش پئے ہوئے طوق گزون  
 گرچہ چنیک دیا تم نے دُور سے، لیکن  
 لکھ کر وہ حادثہ کا تحمل کر نہیں سکتی  
 قادر جانا تھا پر سے عرش سے میرا اور اب  
 گردیا ضعف نے عاجز نہ غائب  
 غمرا تا ہوں کہ گرگزہم میں جاؤں مجھے  
 کیا تعجب ہے ہواؤں کو دیکھ کر آجائے رحم؟

## عالم کشمکش

تم وہ نازک کہ خموشی کو فضاں کہتے ہو  
 آؤب بے اور یہی کشمکش، تو کیا سمجھے؟  
 غلط خبر جذب دل کا شکوہ، دیکھو جرم کا کائے  
 شوق کو کہہ یات کہ ہر دم نالہ کھینچے بیاتے  
 اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر لڑائی  
 گدوہ بدبو کہ تحیرت کو متساں مانے  
 گتہ جیس ہے غم دل اس کو مٹائے شب نے  
 بوجھ دوسرے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے

ہم وہ عاجز کہ تقاضا بھی ستم ہے ہم کو  
 جیسا ہے اور یہی گوگو، تو کیوں کر، میر؟  
 نہ کھینچو کہ تم اپنے کو کشاکش دریاں کیوں ہو؟  
 دل کی وہ حالت کہ دم لینے کو گھبرا جائے ہے  
 وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے  
 ستم وہ افسانہ کہ آشفقتِ بے بیانی مانگے  
 کیا بنے بات، جہاں بات بنائے نہ بنے  
 کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

وہ بچو، اور ریری داستانِ رشتہ طرانی  
 اٹھو وہ بگمائی ہے ادھر یہ نالوائی ہے  
 ہوسے ہیں پاؤں پہلے ہی نبردِ عشق میں زخمی  
 لیاں مجھے روکے ہے جو بچنے سے مجھے کفر

## ازمایش

دل نازک ہے اس کے رحم آتا ہے مجھے غائب  
 نسیمِ تم کو کیا پسیر لگتاں کی ہوا غائب  
 نہیں کچھ سبجہ و زنا کے پھند میں گیرائی  
 زکوہِ گرم اُس کا فراق کو گفت آزمائش میں  
 اُسے یوسف کے بچے پیریں کی آزمائش ہے  
 وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

## توجہ و التفات

گوند سمجھوں اُس کی باتیں، گوند پاؤں اُس کا بھید  
 سب کے دل میں ہے جگہ تری جو کوراہی ہوا  
 مہرباں ہو سکے بلا لوجھے، چاہو جس وقت  
 ہم کو ستمِ عزیز، ستمِ گر کو ہم سننے  
 ہماری سادگی تھی التفاتِ ناز پر مرنے  
 پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری چکر کھلا  
 مجھ پہ گویا، اک زمانہ مہرباں ہو جلتے کا  
 میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آجی نہ سکوں  
 نا مہرباں نہیں ہے، اگر مہرباں نہیں  
 ترا آنا نہ تھا، ظالم، مگر تیرا ہنس جانے کی

## درماندگی و بیچارگی

تنتاے زمانِ محو سپاس بے زبانی ہے  
 ہے خبر گرم اُن کے آنے کی  
 درماندگی میں غالب کچھ بن پڑے تو جانوں  
 رہا جس سے التفاتِ مگر بیدست و پائی کا  
 آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا  
 جب رشتہ بے گروہ تھا، ناخن گروہ کشا تھا

جس سے اپنے یہ جاناکوہ بدخو ہوگا  
 لیتا، نہ اگر دل نہیں دیتا، کوئی دم چسپن  
 بیم و قیاس سے نہیں کرتے وداہ پرش  
 ایسا آساں نہیں ہو رونا  
 ہم سے چھوٹا قمارخانہ عشق  
 اہل تدبیر کی واماں گیاں  
 مڑے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں  
 مگر غبار ہوئے پر ہواڑا لے جاتے  
 سنے عشرت کی خواہش ساقی گزروں کو کچھ  
 اُس بزم میں مجھے نہیں ملتی حسیا کے  
 دل ہی تو ہے سیاست دہان سے ڈر گیا  
 زخمی ہوا ہے، پاشنہ پائے ثبات کا  
 ہم سے رنج بیتابی کس طرح اٹھایا جائے  
 رنج نہ کہیں کھینچے؟ واماں کی کو عشق ہے  
 کہاں کہ دوں اُس کے خیمے کے پچھلے قمار خانے  
 رگزیہ نکالے ہے بری بزم سے بھوک  
 یوں ڈرتے برعشق کی بے حوصلگی نے  
 بھی نیک بھی اُس کے جی میں گرا جائے ہو مجھ سے  
 سنے ہوا پاؤں پہلے نہر عشق میں رنجی  
 سنی جن سے توقع خشکی کی وادیاں نے کی  
 نبض نس سے تپش شعلہ سوزاں کھسا  
 کرتا، جو نہ مڑتا، کوئی دن آہ و فغاں اور  
 مجنوناں تلک ہوئے، اسے اختیار حقیقت  
 دل میں طاقت، جگر میں حال کہاں  
 واں جو جاویں، گرہ میں مال کہاں  
 آبلوں پر بھی جنت باندھے ہیں  
 سولے خون جگر، سو جگر میں خاک نہیں  
 وگر نہ تاب و توان، بال و پر میں خاک نہیں  
 بے بیٹھا ہے اک وچار جام وازگوں وہ بھی  
 بیٹھا رہا، اگرچہ اشارے ہوا کیے  
 میں اور جاؤں نہ سے تو سے بن خدا کیے  
 نے بھاگنے کی گون نہ اقامت کی تاب ہے  
 داغ، پشت، دست، عجز، شعلہ نس بڑاں ہے  
 اٹھ نہیں سکتا، ہمارا جو قد منزل میں ہے  
 مری قسمت میں یا رب کیا نہ تھی دیوار پتھر کی؟  
 ہائے اکہ روئے پہ آہستہ نہیں ہے  
 یاں تو کوئی سنا نہیں فسار کسی کی  
 جفا میں کر کے اپنی یاد شرمناک ہے  
 نہ بھاگا کھاتے ہے مجھ سے نہ نظر ایلے ہو مجھ سے  
 وہ ہم سے بھی زیادہ خستہ تیغ تم سے

جس سے اپنے یہ جاناکوہ بدخو ہوگا  
 لیتا، نہ اگر دل نہیں دیتا، کوئی دم چسپن  
 بیم و قیاس سے نہیں کرتے وداہ پرش  
 ایسا آساں نہیں ہو رونا  
 ہم سے چھوٹا قمارخانہ عشق  
 اہل تدبیر کی واماں گیاں  
 مڑے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں  
 مگر غبار ہوئے پر ہواڑا لے جاتے  
 سنے عشرت کی خواہش ساقی گزروں کو کچھ  
 اُس بزم میں مجھے نہیں ملتی حسیا کے  
 دل ہی تو ہے سیاست دہان سے ڈر گیا  
 زخمی ہوا ہے، پاشنہ پائے ثبات کا  
 ہم سے رنج بیتابی کس طرح اٹھایا جائے  
 رنج نہ کہیں کھینچے؟ واماں کی کو عشق ہے  
 کہاں کہ دوں اُس کے خیمے کے پچھلے قمار خانے  
 رگزیہ نکالے ہے بری بزم سے بھوک  
 یوں ڈرتے برعشق کی بے حوصلگی نے  
 بھی نیک بھی اُس کے جی میں گرا جائے ہو مجھ سے  
 سنے ہوا پاؤں پہلے نہر عشق میں رنجی  
 سنی جن سے توقع خشکی کی وادیاں نے کی



## ناکامی و محرومی

بقیہ فیض ہے دلی نو میدی جاویداں ہے  
 زندگی یوں بھی گزر رہی جاتی  
 دیکھ کر غیر کو، ہو کیوں نہ کلیجا ٹھنڈا؟  
 حاصل الفت نہ دیکھا جز شکست آؤ  
 عرض نیت ز عشق کے قابل نہیں رہا  
 وہ نالہ دل میں جس کے برابر جگہ نہ پائے  
 وہ سحر دعا غلبی میں نہ کام آئے  
 آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے؟  
 غلطی ہاتے مضامین مت پوچھ  
 دائم پڑا ہوا ترسے در پر نہیں ہوں میں  
 کیوں گردشِ دام سے گھرا نہ جائے دل  
 بھلا اُسے نہ سہی، کچھ ٹھہری کو جسم آتا  
 ہمارے ذہن میں اُس فکر کا ہے نام وصال  
 خیال مرگ کب تسکینِ دل آؤدہ کو بخشے؟  
 کھلے گا کس طرح غمخوار سے مکتوب کا یارب  
 حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ اُسے آؤدہ خرامی  
 وفا سے دلبریں ہے اتفاق اور نہ اُسے محرم  
 کوئی دن گر زندگانی اور ہے  
 لئے شردہ وصال نہ نظارہ جمال

کشائش کو ہذا عقدہ شکیل پسند آیا  
 کیوں ترا راہِ عمر یاد آ یا؟  
 نالہ کرتا تھا، دے طالبِ تاثیر بھی تھا  
 دلی بدلی پیوستہ گویا، یک لبِ افسوس تھا  
 جس دل پہ ناز تھا مجھے، وہ دل نہیں رہا  
 جس نالے سے شکاف پڑے آفتاب میں  
 جس سحر سے سفینہ رواں ہو رہا میں  
 ہم بھی ایک اپنی ہوا باندھتے ہیں  
 لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں  
 خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں  
 انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں  
 اثر، مرے نفس بے اثر میں خاک نہیں  
 کہ گرنہ ہوا تو کہاں جائیں، جو تو کیونکر ہو  
 مرے دامِ تن میں ہے اک میدِ زبونِ آہی  
 قسم کھاتی ہے اُس کا فتنے کا فتنے جلائی  
 دل جوشِ گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی آہی  
 اثر فریادِ دل ہاتے حزن کا کس نے دیکھا ہے  
 اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے  
 مدت ہوئی کہ اُسی چشمِ دگوش ہے

رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی  
 ہر قدم دوری منزل ہے نمایاں مجھ سے  
 دکھا کے جنبش لب ہی، تب کہ ہم کو  
 مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی  
 خدا یا، جذبہ دل کی گمراہی شہر الٹی ہے  
 چاک جگر سے جب رو پر پیش نہ دہوئی  
 تخت جگر سے ہے رنگ ہر فرخ شاد رخ گل  
 تاکا ہی رنگا ہے برق نفلت ارہ سوز  
 جب قریح ہی اٹھ گئی غائب  
 شعلے سے نہ ہوتی، ہوس شعلہ نے جو کی  
 مثال میری کہ شیش کی ہے کہ مرغِ امیر  
 جی جلے ذوق فنا کی ناقصی پر نہ کیوں؟

## ذلت و رسوائی

رہتے ہم جو مر کے رسوا ہوئے کیوں فرق کیا؟  
 رازِ عشق نہ رسوا ہو جائے  
 کی ہم نفسوں نے اگر گریہ میں تقریر  
 اس رنگ سے اٹھائی کل اس نے اس کی خوش  
 کھلا غلڈ سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن  
 لگا بھگہ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے  
 نہ کبھی جیت اڑا اٹھا، نہ کہیں مزار ہوتا  
 ورنہ مرجانے میں کچھ عید نہیں  
 اچھے ہے آپاس سے مگر مجھ کو ڈبو آئے  
 دشمن بھی جس کو دیکھ کے غناک ہو گئے  
 بہت بے آبرو ہو کر ترے کپے میں ہم نکلے  
 اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسبان کیلے



زکی سامان میش و جہانے تدبیر و شست کی  
 جنوں کی دستگیری کس سے ہو کر ہو دگر بانی  
 نہ پوچھ و سعت یمن نہ جنوں غائب  
 یک قلم کا خدایا نقش زدہ ہے صفحہ شست  
 ہو گیا چھوڑ کے نہ غائب و شتی ہے اپنے  
 آکر دیکھا خاک اس گل کی کہ گلشن میں نہیں  
 نقصان نہیں جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب  
 مانع و شست زور دی کوئی تدبیر نہیں  
 شوق اس دشت میں دور لے کر مجھ کو کہ جہاں  
 کم نہیں وہ بھی حسد راہ میں پر و سعت معلوم  
 دیواری سے دوشش پہ زنا رہی نہیں  
 شور وید کی کے ہاتھ سے ہے سر و بال دوش  
 ہزاروں دل شیبہ جوش جنوں شش نے مجھ کو  
 خدا شریکے باحقوں کو کہ رکھتے ہیں کشاکش ہیں  
 ہوا چرچا جو میرے پاؤں کی زنجیر بننے کا  
 شدر سے ذوق و شست زور دی اگر بعد مرگ  
 سر یک مکان کو ہے کیسے شرف و آمد  
 شست پر میری عہدہ آفاق جنگ تھا  
 عشق مجھ کو نہیں و شست ہی سہی  
 پھر سب کو کھودنے لگا ، ناخن  
 شست زور دی دوا ز مارت کا وہ غفلت ہے

ہوا جام زمر و بھی مجھے دارغ پٹنگ آخرا  
 گر مہاں چاک کا حق ہو گیا ہے نیری گروں کا  
 جہاں یہ کام نہ گروں ہے ایک خاک انداز  
 نقش پا میں ہے تب گرمی رشت زور دی  
 بیٹھا اس کا وہ آکر تری دیوار کے پاس  
 ہے گہ مہاں ننگ پر پاؤں جو دامن میں نہیں  
 سرگز زمیں کے پائے سیاہاں گروں نہیں  
 ایک چکرتے ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں  
 جاوہ عیسٰی زنگہ دیدہ تصویر نہیں  
 دشت میں ہے مجھے وہ عیش کو گھر پایا نہیں  
 یعنی مہاری حبیب میں اک تاج بھی نہیں  
 صحرا میں نے خدا کوئی دیوار بھی نہیں  
 سیر ہو کر ہو گیا ہر قطر و حق میں  
 کبھی میرے گویاں کو کبھی جہاں سے دامن کو  
 کیا بیتاب کس میں جنبش پر پیر نے آہن کو  
 بٹتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پاؤں  
 جنوں جو مر گیا ہے تو جنگل اُداس ہے  
 دریا زمین کو عجب قیام ہے  
 نیری و شست تری شہرت ہی سہی  
 آمد فصل لالہ کاری ہے  
 شست رنگ لے تربت پر میری گل نشانی کی

پایا میں چہرہ ہوں بسکہ میں محمد نورد  
 کانٹوں کی زبان سونکھ گئی پیاس سے یارب  
 تب چاک گریاں کا مڑا ہے دل ناواں  
 خدا کے واسطے داد اس جنین شوق کی دنیا  
 چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیرا ہوں  
 اثر آبلہ سے جاوہ صمد لے جنوں  
 چاک کی خواہش اگر وحشت بے پانی کرے  
 ہوتا ہے نہاں گرد میں صحر ا مرے ہوتے  
 ہر سنگ و خشت ہے صدف گرد شکست  
 بیکاری جنوں کو ہے سر پیٹنے کا شغل  
 بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ  
 پھر وضع احتیاط سے رکھنے لگے ہم

## ذوق اسیری

خانہ زاد زلف میں زنجیر سے بھاگیں گے کیوں  
 قید میں ہے ترسے وحشی کو وہی زلف کی یاد  
 ہوں گرفتار اُلفت صیتاد  
 خروارے ذوق اسیری کو نظر آتا ہے  
 آسمان زلفی تاثیر اُلفت ہائے خوابوں ہیں  
 خوابوں کیا فصل گل کہتے ہیں کس کو کوئی ہو کر

ہیں گرفتار وفا زندان سے گھبراہیں گے کیا  
 ہاں کچھ ایک رنج گراں باری زنجیر بھی تھا  
 در نہ باقی ہے طاقت پرواز  
 دام خالی قفس مرغ گرفتار کے پاس  
 نرم دست نازش ہو گیا ہے طوق گردن میں  
 وہی ہم میں قفس ہے اور ماتم بال و پر نہا ہے



## پاداشِ عمل

دل لگا کر لگ گیا اُن کو بھی تہب بھینٹا  
ان پر ی زادوں سے لینگے غلامیں ہم انتقام  
بچتے نہیں مواخذہ روزِ حشر سے  
عاشق جوئے ہیں آپ بھی ایک شخص پر  
نکو ہش ہے سزا فریادی بیدارِ دلبر کی  
بے اعتدالیں سے، نیک سب کام مجھے  
دیتے ہیں جنتِ حیاتِ دہر کے بدلے  
چاہئے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل؟  
تو سے کیوں نہ لڑا قاتل؟ کیا لڑیگا اُس کی گردن پر

بارے اپنی بے کسی کی ہم نے پائی دادِ بیاں  
قدرتِ حق سے یہی، خوریں اگر وہاں ہو گئیں  
قاتل اگر قیام ہے تو تم گواہ ہو  
آخر دستم کی کچھ تو کائنات چاہیے  
مُبادا، خندہ و نڈاں نما ہو، بیچِ شمشد کی  
جتنے زیادہ ہو گئے، اتنے ہی کم ہو گئے  
نشد، بانازہ خمار نہیں ہے  
بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہیے  
وہ غول جو چشمِ تر سے غر بھریوں دہم سے

## دارغِ عشق

دکھاؤں کیا قماشِ مہی اگر فرصت نہ ملے  
بھاری تھی آسماں دارغِ جگر سے مری تحصیل  
لوگوں کو ہے خورشیدِ جہاں تاب کا دکھو  
دارغِ مجھے نہ جان کر مائی صبح و ہمسرہ  
ہے دارغِ مفلساں نو باز دستِ رفتہ پر  
شاید دارغِ غمِ عشق کی بہار نہ پوچھ  
سراغِ لطفِ ناز سے دارغِ دل سے  
نظر گئے نہ کہیں اُس کے دست و بازو کو

مرا ہر دارغِ دل اک تخم ہے سرِ چوچاں کا  
آتشِ کدو، جاگیرِ سمندر نہ ہوا تھا  
ہر روز دکھاتا بیڑ میں اک دارغِ ہاں اور  
ہے دارغِ عشقِ زینتِ حبیبِ کفنِ مہور  
ہوں غمِ شوقِ شوقی دارغِ کہیں سمندر  
شگفتگی ہے شبیرِ گلِ خندانِ شمع  
کہ شبِ رونا نقشبِ متہر دیکھتے ہیں  
یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں

ہیں بے زخم کوئی نیکی کے درخشاں سے تو ہیں  
 جو نہ نقدِ دل کی کرے شعلہ پاسبانی  
 ہو اسے تارِ شب یا س رشتہ چشم سون میں  
 قفسِ دل کی نہاں ہے یکسین بے نیازی

## یاد و یاد دہانی

تو مجھے بھول گیا ہوا، قمرِ ستاراؤں  
 گوئیں رہا رہینِ رستم ہائے روزگار  
 کہیں فراق میں تیرے کوئی پتھر بھی تھا  
 لیکن ترے خیال سے غائبِ دل نہیں رہا  
 ہے ترے تیر کا پیکان مسندِ نیر  
 دل سے نکلا، پہ نہ نکلا دل سے

## ثمرہ شہادت

علیٰ المرتضیٰ مشنِ شہیدِ یونفا ہوں  
 شہادتِ حقِ مری محنت میں جوئی حقِ یونچھکو  
 مبارک، مبارک، اسلامت، اسلامت  
 جہاں تلوار کو نہ کیا اٹھکا دیتا تھا گردن کو  
 پڑتی ہے آنکھ، تیرے شہیدوں پہ خود کی  
 اک خوشحال کفن میں کرو روں، بناؤ ہیں

## پشیمانی و ندامت

کی مرے قتل کے بعد، اُس نے مجھ سے توبہ  
 جوڑے باز آئے، پر باز آئیں کیا؟  
 پتے نذرِ کرم، تجھ سے شرمِ نارسائی کا  
 رحمت اگر قبول کرے، کیا ابھی ہے  
 کس پشیمانی میں ہے آئندہ از لے خدا  
 تجھے کس منہ سے جاؤ گے غالب؟  
 ہلا ہے جسمِ جہاں، دل بھی جل گیا ہو گا  
 ہائے اُس زودِ پشیمانی کا پشیمانی ہوتا  
 کہتے ہیں: ہم تجھ کو منہ دکھائیں کیا؟  
 بچوں غلطی و صدمہ تک دعویٰ پارسائی کا  
 شرمِ سنگی سے عذرِ ذکرِ نمانہ کا  
 رحمت، کہ عذرِ خواہ لبِ بے سوال ہے؟  
 شرمِ تم کو مگر نہیں آتی؟  
 کر دیتے ہو جوابِ راکھ، جستجو کیا ہے؟

کبھی میں اس کے جی میں گر جاتا ہوں مجھ سے  
جہان میں کر کے اپنی یاد تیرا مائے ہے مجھ سے

## مرثیہ

لو زم تھا کہ دیکھو مزارِ ست کوئی دن اور  
مٹ جائے گا سرگرتا پتھر نہ کیسے گا  
آئے بیوکل اور آج ہی کہتے ہو کہ "جائوں"  
جاتے ہوئے کہتے ہو: "قیامت کو ملیں گے"  
یاں، اے قلبِ پیڑ جواں تھا ابھی عارف  
تہ باہ شبِ چہار دم تھے مے گھر کے  
تم کون سے تھے ایسے کھرے اور تارکے؟  
مجھ سے تبیں نفرت تھی، تیرے لڑائی  
گزری نہ بہر حال یہ مدت غوش و ناخوش  
ناداں جو ہو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہیں غالب؟  
دوسے میرے ہے تجھ کو بھاری ٹائے ٹائے  
تیرے دل میں گر نہ تھا، آشوبِ نسیم کا جھل  
جھل مری غم خوار کی کا تجھ کو آیا تھا خیال؟  
تیرے کاٹنے پیمانِ وفا باندھا، تو کیا؟  
تیرے گتے ہے مجھے آب و ہوائے زندگی  
اشفاقِ بے نازِ جسدِ کو کیا ہو گیا؟  
تیرے رسوائی سے جا چھپنا نقابِ خاک میں  
خاک میں ہمیں، پسینِ محبتِ دل گئی

تہا گئے کیوں؟ اب رہو تہا کوئی دن اور  
ہوں در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور  
مانا کہ ہمیشہ نہیں، اچھپا کوئی دن اور  
کیا خوب اقامت کا ہے گویا کوئی دن اور  
کیا تیرا گھڑا، جو نہ مڑتا کوئی دن اور  
پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشا کوئی دن اور  
کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور  
بچوں کا بھی دیکھا نہ تیرا کوئی دن اور  
کرتا تھا جواں مرگ گزرا کوئی دن اور  
قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور  
کیا ہوئی ظالم تری غفلت شکاری ٹائے ٹائے  
تو نے چھوڑ لی تھی میری غم گدڑی ٹائے ٹائے  
دشمن اپنی تھی، میری دوست راری ٹائے ٹائے  
مگر کو بھی تو نہیں ہے پایادری، ٹائے ٹائے  
یعنی، تجھ سے تھی اسے ناساز گاری ٹائے ٹائے  
خاک پر بوقتِ سہ تیری لالہ کائی ٹائے ٹائے  
ختم ہے الفت کی، تجھ پر پڑی ڈری ٹائے ٹائے  
اٹھ کر دنیائے سے لڑو ویرسم پاری ٹائے ٹائے



کاتھ ہی تھیں آرمہ کا کام سے جاتا رہا  
 یکس طرح کاٹے کوئی شب ٹٹے تار بنگل  
 دل پہ ایک گلے نہ پایا زخم کاری ٹٹے  
 سہے نظر، نوکر وہ اُستاد شہری ٹٹے  
 گوشہ ہجر پیسہ و چشم محروم بہال  
 ایک دل تہس پر یہ نا امید واری ٹٹے  
 عشق نے پکڑا تھا غالب ابھی مشت کار  
 رو گیا تھا دل میں جو کچھ فوق غباری ٹٹے



رنگ و بو

موج گل، موج شوق، موج صبا، موج شرب



نیرنگ مناظر

۱۴۱

مروج صبا

۱۴۱

جلوة بهار

۱۴۱

یاده و ساغر

۱۴۲

برندی و مستی

۱۴۲

آزاده روی

۱۴۵

شیر و سفر

۱۴۵

ملکيه

۱۴۵



## نیرنگ مناظر

شب ہوئی، پھر انجم خشنود کا نظر کھلا  
 کیوں اندیشی ہے شب غم جبے ملاؤ کا زل  
 کہوں اس میں کو کیا ہے؟ شب غم ہی بلا ہے  
 عیادہ رُوخ کو وقت شام ہے تار شمع  
 حقیریں نباتات تعیش گردوں کو پڑے میں مل  
 لوگوں کو جسے غور شدید جہاں تاب کا چھو کا  
 دکھاؤ نگاہا شامی اگر ذلت نہ ملے

## موج صبا

پوچھتے مت وحیرت سے سستی ارباب چین  
 ہے یہ برسات وہ بوم کو عجب کیا ہے؟ اگر  
 چاہا موج اٹھتی ہے طوفان طرب سے بڑا  
 آواز دہی نسیم مبارک! کہ ہر طرف  
 بھڑکے نہیں ہیں یہ کھستار کے ہم دے  
 فشا تکی غلات سے ذوق ہے شہینم

## جلوۂ بہار

تاکہ جتنے یہ کھلے اعجاز ہوائے صیق  
 پھر ہوا وقت کہ ہر بال کشا موج شراب  
 ایک عالم یہ ہیں طوفان کیفیت نفس  
 دیکھ برسات میں سبز آئینہ کا سوجانا  
 دے بٹھے کو دل دوست شامی شراب  
 موج سبزہ فخر سے تا موج شراب

چہر ہوا وقت کہ بوبال کش، موج شراب  
 قمری کا طوق، مطلق، بیرون دہے آج  
 اڑتے ہوئے اٹھتے ہیں سرخ چمن کے پائل  
 بال تندر، حبلوہ موج شراب سے  
 اسے عنایہ چل رہے دن بہار کے  
 کچھ ادھر کا بھی اشارہ چاہیے  
 اگر گل، سرو کے قامت پر پیرا ہن نہ ہو جائے  
 پھر ہوا تازہ سیدھے غزل خوانی، بجے  
 شیشہ، نے، سرو سبز جوئے بانگ ہے  
 اسے عنایہ وقت و دار بہار ہے  
 طوفان آمد آمد فصل بہار ہے  
 اڑتی سی ایک خبر ہے زبانی طیور کی

ہوش اڑتے ہیں سے جلوت گل دیکھتے  
 گلشن میں ندوبت رنگ دگر ہے آج  
 ہے جوش گل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف  
 مینا سے ہے سرواٹھ طہار سے  
 آغوش گل کشودہ ہر اسے دوا ہے  
 چاک مت کر جیب سے ایام گل  
 سمجھ اس فصل میں کوئی ہی نشروفا غالب  
 یوں نشا اب آمد فصل بہاری، واہ! واہ!  
 شمشاد اب رنگ و ساز مستط  
 چھڑکے ہے شبنم آئندہ رنگ گل پہ آب  
 اسے عنایہ یک کف خس بہر آشیان  
 آمد بہار کی ہے، جو بلبل ہے نغمہ سنج

## بادہ و ساغر

بو کو دریا سے ہے جز تو میں غیاظ ہو ساحل کا  
 ہر گوشہ بساط ہے سرشیشہ باز کا  
 آغوش بادہ صورت غازیہ نیم ازہ تھا  
 گر میں نے کی تھی تو یہ ساقی کو کیس ہوا تھا  
 کھینچا ہے عجب ہر جھولنے خطایان کا  
 جہاں ساقی ہوتا باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا  
 سر کے گھٹے پر بھی ہے بال کا مرق شراب

قد بظرف ہے ساقی، شمار تشنہ کا بھی  
 میں بسکہ جوش بادہ سے شیشہ اچیل ہے  
 شب خمار شوق ساقی مستخیز اعجاز تھا  
 جس اور غیر سے میں تشنہ کام آؤں  
 ہے سے کسے ہے طاقت آخرت آگہی؟  
 طغیانی جوشش دریا نہیں خود داری ساحل  
 ہوا غرق ہے، بخت ز سار کھٹا ہے



جس قدر روح نالی ہے جگر تشنه ناز  
 کھوٹے سے دگ تاک یہ نغس مہر جگر  
 مہر نکل سے چراماں ہے اگر رگا و خیال  
 تشنه کے پردے میں ہے جو تاشائے دماغ  
 شرح جنگامہ ہستی ہے تشنه ابوم کل  
 ہرے قرح میں ہے مہربانے آتش پناہاں  
 شہرستہ رکھتے ہیں مجھے باو بہار سے  
 لے گئی ساقی کی نخوت، قازم آست می می  
 سلطنت دست بدست آئی ہے  
 غائب چھٹی شراب پر آب بھی کبھی کبھی  
 کل کے لیے اگر آج زخمت شراب میں  
 صاف درد سے کش پیمانہ جم ہیں ہم لوگ  
 کوئی کبھی کہ شرب سہ میں کیا برائی ہے  
 علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی شراب  
 حیاں فرا ہے بادہ ہمیں کے ہاتھ میں جام آگیا  
 سے سے غرض نشاط ہے کس روستیا کو  
 ہے دور مت درج وجہ پریشانی مہیا  
 پی جس قدر سٹے شب متاب میں شراب  
 رکھتا پھروں ہوں خرقہ و تنجاہ رہن سے  
 حاد بادہ نوشی رنداں ہے شش بہت  
 ساقی گری کی شہر م کرو آج اور نہ ہم

دے ہے تسکین بدم آب بقا مہر شراب  
 شہر رنگ سے ہے بال کشا مہر شراب  
 ہے تشنه میں زبس جلوہ نما مہر شراب  
 بسکر رکھتی ہے ریشو و نم مہر شراب  
 رہبر قطرہ بدیابے غوث ابوم شراب  
 بروئے صغره، کباب دل سمندر کھینچ  
 مینائے بے شراب و دل بے پرے کل  
 مہر نے کی آج رگا مینا کی گریں نہیں  
 جامہ نے، خاتم جہتید نہیں  
 پیتا ہوں روز ابر و شب ماہ تاب میں  
 یہ مہر مٹن ہے ساقی کو خورے باب میں  
 واسے بادہ کہ آفت زہ آگوز نہیں  
 بلا سے آج اگر دن کو ابر و بادہ نہیں  
 گدائے کو چہ سے خانہ نامہ و نہیں  
 سب لکیریں باقہالی لویا رگہ جاں ہو گئیں  
 ایک گونہ بے خردی مجھے دن رات چاہیے  
 یک بار نکا دو حشم خیمے ہوں سے  
 اس مٹنی مزاج کو گرمی ہی راس ہے  
 مدت ہوئی ہے دعوت آب و ہوا کی  
 غافل لانا کر سے ہے گریں شراب ہے  
 ہر شرب پیا ہی کرتے ہیں نے بس قدر طے

ہاں مہرے مگر بادۂ دوشینہ کی نوا سے  
 بہتی مجلس کی گرمی سے روانی اور سلاخی  
 ایک دن گزرا ہوا بزم میں ساقی نہ سہی  
 تیری قسم کا کچھ امت سب نہیں ہے  
 سولے بادۂ کلفام مشک بو کیا ہے  
 یہ شیشہ و قدر و کوثر و سب کو کیا ہے  
 پیاز گر نہیں دیتا نہ ہے شراب تو دے  
 گر باغ گدا سنے سنے نہیں ہے  
 مے ہے یہ مگس کی تفتے نہیں ہے  
 رکھنے کوئی یہیمانہ صہبا مرے آگے  
 رہنے دوا بھی ساغر و دینا مرے آگے  
 تھے یہ ہی دو حساب سو فیوں پاک ہو گئے  
 غلام ساقی کوثر ہوں مجھ کو مست کیا ہے  
 پھر یادہ زمانہ جو جہاں میں جا ہم جسم نکلے  
 صبح بہار پانیہ میہ مست نہیں ہے  
 یہ رن کو کہتے کلفام بہت ہے  
 سب یوں کہ مجھے درد تہ تمام بہت ہے

ظاہر ہے کہ گھبراہٹ نہ بھاگیں گے بخیرین  
 پر پرواز شاید بادبان کشتی سے تھا  
 مے پرستل غم نے منہ سے لگائے ہی بنے  
 کوئے قسم سے کشی کی کھانی ہے غالباً  
 وہ چیز جس کے لیے ہم کو ہر بہشت عزیز  
 پیوں شراب اگر قسم بھی دیکھ لوں دیار  
 بلا دے اوک سے ساقی جو ہم نہ نفرت ہے  
 کیوں روتے ہیں باغبان تو سبے  
 کیوں روتے درج لرے ہے ناز  
 پھر دیکھیے انداز گل افشانی گفتار  
 کو باغ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے  
 صرف جاتے سے ہوتے آلات مے کشی  
 بہت بھی مست مگنی شراب کہ کیا ہے  
 جلی اس دور میں شربت جیسے بادۂ آشی  
 کار ہے شگفتن گل یا نے میش کو  
 کہنے میں بودا دل کام بہت ہے  
 جیسے ساقی سے حسیاتی ہے ورنہ

## زندگی و مستی

راز رکھا خیال مے و ساغر ہی سہی  
 سے کھل جاو وقت مے پر کی لکھن  
 گر نفس عبادہ مر مر نزل تقویٰ نہ ہوا  
 ورنہ تم تھیں اس کے رکھ کر غدر مستی ایسا نہ

لشہ رنگ سے ہے داسید گل  
رات پنی زمرم پر سے اور صبح دم  
مست کب بند قبا باندھے ہیں؟  
دھوئے دجے جابرہ جسد ام کے

## آزادہ کروی

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش ازیک نفس  
تو غیر نہیں 'حرم نہیں' وہ نہیں آستان نہیں  
کچھ میں جا رہا، کوزہ دو طعنے، کیا کہیں  
دار سنگی بہانہ بے گانگی نہیں  
جب میکہ چھٹا، تو پھر کیا جگہ کی قید  
مسجد کے زیر سایہ، خرابات چاہیے  
اپنا نہیں وہ شہرہ کہ آرام سے بیٹھیں  
ایک ہنگامے پر موقوف ہے گھر کی رونق  
بقی سے کہتے ہیں روشن شمع آمد خانہ  
بیٹھے ہیں رو گز رہے ہم غیر نہیں اٹھائے گھر  
بھولا ہوں حق صحبت اہل کشت کو  
اسنے سے کوزہ غیر سے خوشت ہی کیوں  
مسجد ہو مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو  
بھوں پاس آنکھ قبیلہ محبت چاہیے  
اُس در پر نہیں بار، تو کچھ ہی کو ہوائے  
فوجہ غنم ہی یہی انفس شادی دہیں

## سیر و سفر

لکھتے آنے کا باعث نہیں کھلتا، یعنی ق  
مقطع سلسلہ شریقی نہیں ہے یہ شہر  
یہ جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب  
ہو رہے سیر و تماشا، سودہ کہے ہم کو  
عزم سیر بچھ و طوف ہم بچھ کو  
باد را، کشش کاف کہہ ہم کو

## تکیہ

شب وصال میں 'مونس' گیا ہے بن تکیہ  
خارج باد شہر میں سے کیوں نہ انگول آج؟  
ہو رہے موجب آرام جان و تن، تکیہ  
کہ بن گیا ہے غم بعد پر مشکن، تکیہ

بنا ہے تختہ گلہائے یاقوت، بسترِ لعل ہوا ہے دستِ نسرین و نسرین ہمکین  
 فروغِ سخن سے روشن ہے خواب گاہِ تمام، جو رختِ خواب ہے پرئیں تو چرخِ سخن ہمکین  
 خوش آگیا جو پس از قتل میر سے قاتل کو، ہوئی ہے اُس کو میری لاش بے کفن ہمکین

---

# در حدیث دیگران

ویدہ تاول اسد، آئینہ یک پر تو شوق  
فیض معنی سے، خطِ ساغرِ مستم سرشار



## غزلیات

تجسیت بهادر شاه ظفر  
مدح علی بهادر بهادر شاه ظفر

## قصائد

مدح حضرت علی

مدح حضرت علی

مدح بهادر شاه ظفر

مدح بهادر شاه ظفر

مدح نواب کلب علی خاں

مدح راجا شیردان سنگھ

مدح نواب میکوڑ

## مثنویات

صفت انبیا

تلازمه پتنگ

## قطعات

مدح بهادر شاه ظفر

مدح بهادر شاه ظفر

مدح بهادر شاه ظفر

سہرا شہزادہ جوان بخت

مقدرت

نیاز ماہ صفر

عذر معین

عذر عدم حاضری دربار

شکوہ بسینی رونی

شکوہ سلام دربار

مدح نصرت الملک بہادر

تاریخ شادی میرزا جعفر

تاریخ شادی میرزا جعفر

سہرا

سہرا شہاب الدین خاں

۱۵۱

۱۵۱

۱۵۳

۱۵۳

۱۵۴

۱۵۴

۱۶۳

۱۶۵

۱۶۶

۱۶۹

۱۷۱

۱۵۲

۱۵۳

۱۵۴

۱۵۵

۱۵۶

۱۵۷

۱۵۸

۱۵۸

۱۶۸

۱۶۸

۱۶۹

۱۶۹

۱۶۹

۱۷۰

|     |                       |     |                   |
|-----|-----------------------|-----|-------------------|
| ۱۸۵ | جوڑ بآں               | ۱۸۰ | چنی دلی           |
| ۱۸۵ | لذت آزار              | ۱۸۱ | یادگار کلمت       |
| ۱۸۶ | در ماندگی             | ۱۸۱ | تجدید الفت        |
| ۱۸۶ | بسم غرضی              | ۱۸۱ | شکوہ تقدیر        |
| ۱۸۶ | مدح بہادر شاہ ظفر     | ۱۸۱ | شہر آشوب          |
| ۱۸۶ | دعا بحق بہادر شاہ ظفر | ۱۸۲ | شہر آشوب          |
| ۱۸۶ | دعا بحق بہادر شاہ ظفر | ۱۸۲ | شاعر کا دل        |
| ۱۸۶ | شکوہ تحفہ وال         | ۱۸۳ | رشیہ              |
| ۱۸۶ | شکوہ تحفہ سیم         |     |                   |
| ۱۸۶ | غدر معصوم             |     | رباعیات           |
| ۱۸۸ | شکوہ حق               | ۱۸۴ | رز غالب           |
| ۱۸۸ | شکوہ جواب             | ۱۸۴ | اردوئے اعادۂ شباب |
| ۱۸۸ | پیش احوال             | ۱۸۴ | پیش گریہ          |
| ۱۸۸ | غالب کا مسلک          | ۱۸۵ | سرت دیدار         |
|     |                       | ۱۸۵ | غرض و مراد        |



## تہنیت بہادر شاہ ظفر

پھر اس انداز سے بہار آئی  
دیکھو اسے ساکنانِ خطہ خاک  
کہ زمیں ہو گئی ہے سرتاسر  
سبز سے کہ جب کہیں جگہ نہ رہی  
سبزہ و گل کو دیکھنے کے لیے  
ہے ہوا میں شراب کی تاثیر  
کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب  
کہ جسے ہمدرد تماشا  
اس کو سمجھتے ہیں عالمِ آرائی  
روکشیں سطحِ چرخِ مینائی  
بن گیا روتے آب پر کافی  
چشمِ زگس کو دی ہے بینائی  
باوہ فزحشی ہے بادِ چیمائی  
شاہِ دیندار نے شفا پائی

## مدح

غالب خدا کیسے کہ سوارِ سمندر تاز  
ہے شاہِ سلیماں جاہ سے نسبت نہیں غالب  
غالب عمر سے کلام میں کیوں کہ مرزا نہ ہو؟  
غالب بھی گزرتا ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں  
قامِ میرزا وہ ہے بارِ بزمِ سخن  
اسے شہنشاہ کو اک سچہ بہرِ علم  
نجاتِ اقیام کا حاصل ہو نہ راہِ مجھے  
نرمی میں جو یہ بدر سے ہوتا ہے رطل  
دیکھوں علی بہادر عالی گہر کو میں  
فریدیوں و جم و کھسرو و داراب و بہن کو  
چیتا ہوں دھوکے خسرو شیریں سخن کو  
دنیا ہو یا رب اور مرا بادشاہ ہو  
شاہ کی مدح میں ٹیلِ نغمہ سرا ہوتا ہے  
تیرے اکرام کا حق کس سے لواتا ہے  
تو وہ مشک کو تیرے نعل پہا ہوتا ہے  
آسمان پر تیرے امرا نصیر ہوتا ہے

ہیں جو گستاخ ہوں آئین غزل خوانی میں  
 حضور شاہ میں اہل سخن کی آزمائش ہے  
 اندھی ہوئی ہے کو کینہ شہر سیار کی  
 جب اس کے دیکھنے کے لیے آئیں بار شاہ  
 دیا ہے خلق کو بھی، تائے نظر نہ گئے  
 زبان پر بار حسد آیا، یہ کس کا نام آیا  
 تعمیر دولت و دیں اور معین قوت و ملک  
 کائنات میں اس کے سپہ بجو آزمائش  
 حق تمام ہوا اور مدح باقی ہے

یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فضا ہوتا ہے  
 چمن میں خوشنویاں چمن کی آزمائش ہے  
 اترائے کیوں نہ، خاک کسیر رنگزار کی  
 لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو لالہ زار کی  
 بنا ہے عیش تجل حسین خاں کے لیے  
 کہ میرے نطق نے بوسے میری زبان کے لیے  
 بنا ہے چرخ بریں جس کے آستان کے لیے  
 بنیں گے اور تارے اب آسمان کے لیے  
 سفینہ چاہیے اس بحر بیکار کے لیے

## قصائد

مدح

## قصیدہ در منقبت حضرت علیؑ

(۱)

مایہ لالہ ہے داغ، مُردے ہوتے بہار  
 ریزہ شیشہ نے، جو ہر تیغ کہہ کر  
 تازہ ہے ریشہ نارج صفت یوسف شلار  
 کہ اس آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا فشار  
 راہِ خوابیدہ ہوئی، خندہ گل سے بیدار  
 سر فروشت دو جہاں ابر، بیک سطر عیار  
 قوتِ نامیہ اُس کو بھی نہ چھوڑے بے کار  
 دام ہر کاغذ آتش زدہ، لہاؤں شکار  
 بھول جایک قدح بادہ بطاق گلزار  
 گم کرے گوشہ سے خانہ میں گر تو دستار  
 سبز، مثل خطِ نو خیز، بر خطِ پرکار

سازیک ذرہ نہیں، فیضِ حین سے، بیکار  
 مستیِ بادِ صبا سے ہے، بعض سبزہ  
 سبز ہے جامِ دمر کی طرح، داغِ پلنگ  
 مستیِ ابر سے گلچین طرب ہے حسرت  
 کوہِ صحرایہ، محسوسِ شوقِ بیل  
 سر پہ ہے فیضِ ہوا، صورتِ شکرانِ تیم  
 کاٹ کر پھینکے، خن، تو باندازِ ہلال  
 کعب ہر خاک بگردوں شدہ، قمری پرواز  
 میکہ سے میں ہوا، اگر آرزوئے گلِ حینی  
 صبحِ گل دھونڈ، سکوتِ کرب، غنچہ باغ  
 کہنے گر بائی اندیشہ حین کی تصویر

سس سے کی ہے چنے زمزمہ دستِ شاہ  
 وہ شہنشاہ کہ جس کی چنے تعمیر سہرا  
 خاکِ اعرش بجز حشمِ دوشِ مزدور  
 سبزہ نہ چھی ویک خطِ پشتِ لبِ بام  
 واں کے خاکشاہ سے حاصل ہو جسے یک گاہ  
 خاکِ محمد لے جفت جو ہر سیرِ عرفا  
 ذرہ اس گرد کا خورشید کو آئینہ ناز  
 آنرینش کو بے واں سے طلبِ مستی ناز  
 فیض سے تیرے پہلے شمعِ خستہ بیلاد  
 شکلِ طاووس کرے آئینہ خانہ پرواز  
 تیری اولاد کے غم سے ہے بروئے گزروں  
 بحرِ جلوت کو تر نقشِ قدمِ شہرِ ناز  
 مس میں تیری نہاں زمزمہ نعتِ نبی  
 جو ہر دست دعا آئینہ یعنی تاشیب  
 مددک سے ہر عسہ آغاۃ اقبال نگاہ  
 دشمنِ آلِ نبی کو بطربِ منہ دہر  
 فیروزہ تامل اسد آئینہ یک پر تو شوق

طوطی سبزہ کہارے سپید و منقار  
 چشمِ جبریل ہوں قابِ بخت دیوار  
 رشتہ فیضِ ازل سازِ طبیبِ معمار  
 رفعتِ ہمت صد عارف و یکا چِ حصار  
 وہ رہے بروئے بالِ پری سے بیزار  
 چشمِ نقشِ قدم آئینہ محنتِ بیدار  
 گردِ اس دشت کی اکبر کو اسرارِ بہار  
 عرضِ خمیازہ ایجا ہے ہر برجِ عیار  
 دل پرواز چہ افغان پر لبِ لبّیل  
 ذوق میں ملیے کے تیرے ہوائے بیدار  
 سلکِ اختر میں مسدودِ مژدہ گہرِ یار  
 بحرِ ریاضت کو ترے وصلے سے انتظار  
 جام سے تیرے عیان بادِ جوشِ اسرار  
 یک طرف نازش مژگانِ گرِ سرِ غم خانہ  
 خاکِ در کی ترے چو پتھر نہ ہوا آئینہ دار  
 عرضِ خمیازہ سیلابِ لہو طاقِ دیوار  
 فیضِ محنی سے خطِ سانچہ مستمِ سرشار

(۲)

دہر جسنہ جلوت کی تانی عشق نہیں  
 بدلی لائے تماشا کہ نہ میرت نہ ذوق

ہم کہاں ہوتے اگر حُسن نہ ہوتا ہمیں  
 بے کسی شئے تھا کہ نہ دنیا ہے نہ نیک

غمزدہ ہے، غمزدہ زیروہم ہستی و عدم  
 نقشب معنی ہستہ خیمہ از عرش صورت  
 خوف دانش غلط و نفع عبادت معلوم  
 مشکل مضمون و فائدہ باد پرست تسلیم  
 عشق بے رنجی شیرازہ اجزلے حواس  
 کو کھن گم سہ مزد و طرب گاہ رقیب  
 ہمیں نے دیکھا، نفس اہل وفا آتش خیز؟  
 سامع و مزمع، اہل جہاں ہوں، لیکن  
 ہمیں قدم نہ ترہ سدا ہوں کہ عیاذ باللہ  
 نقشب "لا حول" بلکہ اسے غامہ بنیال تسدے  
 مطلب فیض خدا، جان و دل غمزدہ رطل  
 ہو، وہ سرمایہ آئینہ، جہاں گیم خرام  
 جلوہ پرواز ہستہ نقشب تسدہ اس کا جس جا  
 نسبت نام سے اس کی ہے یہ تریہ کر ہے  
 فیض ملک اس کا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا  
 جگرش تین کا اس کی ہے جہاں میں چرچا  
 کفر سدا اس کا وہ جلوہ ہے کہ جس کو لٹے  
 جاں پناہ اول و جاں فیض رسانا ایشا  
 جسم الجسد کو ترے دوش پیہ نہ سبر  
 کس سے ممکن ہے مدح بغیر از واجب؟  
 آستان پر ہے ترے جوہر آئینہ رنگ

لغیر ہے آئینہ فرق جہنوں و ملکیں  
 سخن حق ہستہ پیمائے ذوق تعین  
 دوزخ پاک ساغر خلعت ہے پروا نہ دیر  
 صورت نقشب و فائدہ خاک نفس و تعلیں  
 وصل زنگار رخ آئینہ شمس نقبین  
 بے مقول آئینہ خواب گراں شیریں  
 کس نے پایا، اثر ناز و لہائے حسین  
 زمر و بگ ستایش، زوہار نفسین  
 یک مسلم خارج اداب و وقار و تسکین  
 "یا علی" عرض کرے غلط و سواس قرین  
 قبل آں ہی، کعبہ ایجاب ایتیں  
 بر کف خاک ہے دامن حمودہ تصویر زمین  
 وہ کف خاک ہے نہوس دو عالم کی آئیں  
 اندھا پشت فلک جسم شہدہ ناز میں  
 بوسے گل سے، نفس باز صلب غلام  
 قطع ہو جائے زسر شستہ ایجا و کھیں  
 رنگ عاشق کی طرح، مدح و تجاہد چین  
 و حق ختم رطل تو ہے، بغیر از تعین  
 نام نامی کو ترے نام سے مرشش ہمیں  
 شعہ شمع، مگر شمع پر باندھے آئیں  
 رستم بندگی حضرت جب یل آئیں

تیرے در کے کیے اسباب تیار آما وہ  
 تیری رحمت کے لیے ہیں لاجاں کام و زباں  
 جس سے ہو سکتی ہے ملا جی ممدوح خدا  
 جنس بازار معاصی اسد اللہ اسد  
 شوخی عرض مطالب میں ہے گستاخ طلب  
 اسے دعا کو میری وہ مرتبہ حسن قبول  
 تم جتنے سے ہو سینہ یہاں تک لہریں  
 بیع کو الفت و دل میں یہ سکر خمی شوق  
 دل الفت نسب و سیدہ توحید نفسا  
 صرف اعدا آخر شعلہ و دود و زرخ ؟

غنا کیوں کو جو خدا نے دیے جان و دل و دین  
 تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم و جبین  
 کس سے ہو سکتی ہے آرائش فردوس بریں  
 کہ سوا تیرے کوئی اس کا خسریدار نہیں  
 ہے تیرے حوصلہ فضل پر از بس کہ یقین  
 کہ اجابت کہے ہر حرف پر سہارا "آمین"  
 کہ رہیں خونِ جگر سے مری کھنکھیں نہیں  
 کہ جہاں تک چلے اس کو قدم اور مجھ کو جبین  
 بگڑے جڑ پرست و نفس مسدق گزین  
 وقف احباب گل و سنبل فردوس بریں

## قصیدہ در مدح بہادر شاہ

(۳)

ہاں میرے سنیں ہم اُس کا نام  
دو دن آیا ہے تو نظر دم صبح  
بارے دو دن کہاں رہا غائب  
اُس کے جانا کہاں؟ کہ تاروں کا  
حزب! لے لے لے لے لے لے لے  
خدا میں تین دن نہ آنے کے  
اُس کو بھولا نہ چاہیے کہنا  
ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا  
سازِ دل مجھ سے کیوں پھیلتا ہے؟  
جاننا ہوں کہ آج دُسیا میں  
میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ گوش  
جاننا ہوں کہ جانتا ہے تو  
مہر تیاں کو ہو تو ہو لے ماہ  
تھو کو کی پائے رُوشناسی کا  
جاننا ہوں کہ اُس کے فیض ہو تو  
ماہ بن، ماہ تاب بن، میں کون؟  
میرا اپنا جہدِ اعلا ہے

جس کو تو، مجھ کے کر رہے سلام  
بھی انداز اور یہی اندام  
بندہ عاجز ہے گردشِ ایام  
ہمسماں نے بھار کھاتہ دام  
حُبّت! اسے نشاطِ عالم عوام  
لے کے آیا ہے عید کا پیغام  
صبح جو جاوے اور آوے شام  
تیرا آغناز اور ترا انجام  
مجھ کو سمجھ ہے کیا کہیں تمام  
ایک ہی ہے امید گاہِ اُنام  
غالب اُس کا، مگر نہیں ہے غلام  
تب کہا ہے بطرزِ استفہام  
قرب ہر روزہ برسیلِ دوام  
جز بقربِ عید ماہِ میام  
پھر بنا چاہت ہے ماہِ تمام  
مجھ کو کیا بانٹ دے گا تو انعام  
اور کے لین دین سے کیا کام؟

ہے مجھے آرزوئے بخشش غاص  
 ہو کہ بخشے گا تجھ کو خستہ فروغ  
 جب کہ چوہہ مست زل غلک  
 تیرے پرتو سے ہل فروغ پذیر  
 دیکھنا میرے ہاتھ میں بسیر  
 پھر غزل کی روش پہل نکلا  
 کر تجھے ہے ایسا درخت عام  
 کیا نہ دے گا مجھے لکھنا  
 ق کر چکے قطع تیری تیزی کا  
 کوئے و مشکوئے و معن و نظر و بام  
 اپنی صورت کا اک بلوریں جام  
 تو سن طبع چاہتا تھا رگام

## غزل

زہر منہم کر چکا تھا میرا لہم  
 ہے ہی پھر کیوں نہ میں پیہ جاؤں؟  
 کیسا بھی غنیمت ہے  
 کہتے میں جا بجائیں گے تاؤں  
 جس قدر کہ ہے زور مجھ کو نقد  
 دوسرے دینے میں ان کو ہے انکار  
 چھیڑتا ہوں کہ ان کو غصہ آئے  
 تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بدنام  
 غم سے جب ہو گئی بوزلیست حرام  
 کہ نہ سمجھیں وہ لذت دشنام  
 اب تو باندھا ہے دیر میں احرام  
 چرخ نے لی ہے جس پر گردش و ام  
 دل کے لینے میں جن کو تھا ابرام  
 کیوں رکھوں درد غالب اپنا نام

کہ چکا میں تو سب کچھ اب تو کہہ  
 کون ہے جس کے درد پہنا صیرما  
 تو نہیں جانتا، تو مجھ سے سن  
 قبلہ چشم دول بہت در شاہ  
 اے پری چہرہ پیکہ تیرا نام  
 میں مہر و زہر و بہرام  
 نام شاہ نشہ بلند مقام  
 مظہر ذوالجلال و الاکرام  
 تو بہار حقیقت اسلام  
 شہ سوار مستی انصاف



جس کا ہر فعل صورتِ عجب از  
 رزم میں یسین زبانِ قیصر و جسم  
 اے ترا عہدِ فرخنی قیصر  
 تو خوش اللہ! عازتِ زکام  
 جہنمِ خواروں میں تیرے شہیدِ جاد  
 ایرج و تور و خسرو و بہرام  
 گیارہ گودرز و بیستون و زکام  
 ق آنسریں! آبداریِ مصمم  
 تیغ کو تیرے تیغِ خصمِ نیام  
 ق برق کو دے رہا ہے کیا الزام  
 تیرے رخسارِ شکرِ گلِ خروام  
 ق گرد رکھتا ہو دستِ گاہِ تمام  
 کیوں نیایاں ہو صورتِ اوضاع  
 صفحہ ہائے لیلیٰ و ایام  
 مجھ سے منہ راج ہوئے احکام  
 لکھ دیا عاشقوں کو "دشمنِ کام"  
 "گنبدِ تیز گردِ نیلیِ فام"  
 ق خلل کو "داز" اور زلف کو "دام"  
 وضعِ سوز و غم و رزم و آرام  
 ماہِ تاباں کا اسم "شخصہ شام"  
 دی بدستور صورتِ ارم

جس کا ہر فعل صورتِ عجب از  
 رزم میں یسین زبانِ قیصر و جسم  
 اے ترا عہدِ فرخنی قیصر  
 تو خوش اللہ! عازتِ زکام  
 جہنمِ خواروں میں تیرے شہیدِ جاد  
 ایرج و تور و خسرو و بہرام  
 گیارہ گودرز و بیستون و زکام  
 ق آنسریں! آبداریِ مصمم  
 تیغ کو تیرے تیغِ خصمِ نیام  
 ق برق کو دے رہا ہے کیا الزام  
 تیرے رخسارِ شکرِ گلِ خروام  
 ق گرد رکھتا ہو دستِ گاہِ تمام  
 کیوں نیایاں ہو صورتِ اوضاع  
 صفحہ ہائے لیلیٰ و ایام  
 مجھ سے منہ راج ہوئے احکام  
 لکھ دیا عاشقوں کو "دشمنِ کام"  
 "گنبدِ تیز گردِ نیلیِ فام"  
 ق خلل کو "داز" اور زلف کو "دام"  
 وضعِ سوز و غم و رزم و آرام  
 ماہِ تاباں کا اسم "شخصہ شام"  
 دی بدستور صورتِ ارم

کاتب حکم نے، بموجب حکم  
سے ازل سے روانی آفتاب  
اُس رسم کو دیا مسدود  
ہو آبدھک رسائی انجام

(۴)

صیغہ دروازہ خاور کھلا  
عسیر انجسم کے آیا، صفتیں  
وہ بھی مٹی ایک سیما کی سی نمود  
ہیں کو اکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ  
سلیقہ گردوں پر پڑا تھا، رات کو  
صبح آیا، جانب مشرق نظر  
مٹی نظر نہی، کیا جب رتہ سحر  
کے ساقی تے، میوہی کے لیے  
نہم سلطان مٹی آراستہ  
تاج زریں، مہر تیاں سے سوا  
شاہ روشن دل بہادر شہ کہ ہے  
کہ جس کی صورت مجبین میں  
کہ جس کے نامن تاویل سے  
پہلے دار کا بھل آیا ہے نام  
مشناسوں کی جہاں فہرست ہے  
حسن شہ میں ہے وہ خوبی کہ جب  
تشنہ یا کی صورت میں وہ ولفریب

مہر عالم تاب کا منظر کھلا  
شب کو تھا، انجسم گزرتا کھلا  
صبح کو راز مسدود آہستہ کھلا  
دیتے ہیں دھوکا، یہ بازی گر کھلا  
موتیں کا، ہر طرف، زلزلہ کھلا  
اک لنگار آتشیں رخ، سر کھلا  
بادہ گل رنگ کا ساغہ کھلا  
رکھ دیا ہے ایک جام زر کھلا  
کعبہ امن و آماں کا در کھلا  
خسرو آفتاب کے منہ پر کھلا  
راز ہستی اُس پر سدا کھلا  
مقصود چرخ و ہفت اختر کھلا  
عقدہ احکام پیغمبر کھلا  
اُس کے سرنگوں کا جب فتنہ کھلا  
واں لکھا ہے چہرہ قیصر کھلا  
تھان سے وہ غیرت صرصر کھلا  
تھ لکھ، بیت خانہ آتور کھلا

ہر فیض تربیت سے شاہ کے  
 لاکھ عقیدے دل میں تھے نیک ہر ایک  
 عقاد دل و ابستہ قفل بے کلید  
 پارغ معنی کی دکھاؤں گا، بہت  
 ہر جہاں گرم غنہ خزانہ نفس  
 کچھ میں بیٹھا رہوں، یوں پرکھنا غزل  
 ہم پرکاریں اور کھلے یوں کون جائے؟  
 ہم کو ہے اس راز داری پر کھنڈ  
 واقعی دل پر بھلا گت بھت داغ  
 ساتھ سے رکھ دی کہا بروئے کماں؟  
 صفت کا کس کو برا ہے، بذوق  
 صورت دل کا کیا کرے باران اشک  
 نامے کے ساتھ آگیا پیغام مرگ  
 دیکھو غالب سے گر ابھار کونی

پھر ہوا مدحت طسرازی، خیال  
 مقام سے پائی، طبیعت، مدد  
 مداح سے مدد و مح کی دیکھیں شکوہ  
 ہر ہر کا پنا، چرخ چکر کھا گیا  
 بادشہ کا نام لیتا ہے خلیفہ  
 سکتہ شہ کا، ہوا ہے، روشناس

پھر مرہ و غم شید کا دفتر کھلا  
 بادشاہ بھی اٹھتے ہی سنگ کھلا  
 یا عرض سے ترسہ جو ہر کھلا  
 بادشہ کا رایت شکر کھلا  
 اب ملو پایہ منبر کھلا  
 اب عیار اکبروئے زر کھلا

تہا کے آگے دھرا ہے آئندہ  
 اب مال سہی اسکندر کھلا  
 اس کے وارث کو دیکھا غلق نے  
 اب فویب طغرل و سنجہ کھلا  
 ہر سکے کیا مدح؟ جاں، اک نام ہے  
 دستبرد مدح جہاں وادہ کھلا  
 سنکا ابھی، پرستائش نام  
 عجز و عجز استائش گر کھلا  
 استا ہوں پختہ لوح ازل  
 تم پر اے خاقان نام آور کھلا  
 کرو صا جبرانی، جب تک  
 ہے للہم روز و شب کا در کھلا

# قصیدہ در مدح نواب کلب علیخان بہادر

(۵)

عجب سالِ ندری آئیں  
 شبِ دروز، افتخارِ نیل و نہار  
 گرچہ ہے بعدِ عیدِ کد تو رونہ  
 سوزِ اس آئیں دن میں، ہوئی کی  
 شہر میں، کو کبوتر، عیبِ زنگار  
 شہر گویا نمونہ گلزار  
 عین تیمار اور ایسے خوب  
 پھر ہوئی ہے اسی پہننے میں  
 محفلِ غزلِ معشوقِ قواب  
 بزمِ گم میں، امیرِ شاہِ نشان  
 پیشِ گاہِ حضورِ شکرِ مہابہ  
 جن کی سند کا، آسمان گوشہ  
 جن کی دیوارِ قصہ کے نیچے  
 ہر میں اس طرح کی بزمِ سرور  
 نہیں چرخ، گوہر آئیں فرش  
 راجہ اندر کا جو اکھاڑا ہے  
 نظر گاہِ اہل و ہم و خیال  
 عیدِ شمال و ماہِ فروردین  
 مرد سال، اشرفِ شہر و سنیں  
 یک بیش از سہ ہفتہ بعد نہیں  
 جا بجا، مجلسِ میوئیں نگین  
 باغ میں سوسو، گل و سدری  
 باغ، گویا نگارِ حنائی چیں  
 جمع ہرگز ہوتے نہ ہوں گے نہیں  
 منعقدِ محفلِ نشاطِ قدیں  
 رونق افزائے سندِ تمکین  
 رزم گم میں، حریفِ شیرِ کمین  
 خیر خواہِ جنابِ دولتِ دین  
 جن کی حاتم کا آفتابِ گلین  
 آسمان ہے گداے سایہ شین  
 نہ ہوئی ہو کبھی بدوئے زمیں  
 فوراً، ماہِ ساغرِ سیمین  
 ہے وہ بالائے سطحِ چرخِ بریں  
 یہ فضا بخش چشمِ اہلِ یقین

جہاں کہاں یہ عطا و بذل و کرم  
 یاں زمین پر لکڑ جہاں تک جائے  
 تقدیر مطربان نہ ہر نووا  
 جس اکھاڑے میں جو کہ ہے نظروں  
 سرور مہر فرما ہوا جو سوار  
 سب نے جانا کہ ہے پری تو سن  
 نقش سیم سمند سے یکسر  
 فوج کی گرد مار، مشک فشان  
 بسکہ بخش ہے فوج کو عزت  
 ہو گیب خاص، یوں زمین پر تھا  
 چھوڑ دیتا تھا گور کو، بہرام  
 خدا داغ آپ کی مشعلی کا  
 سندہ پروردشا طرزی سے  
 آپ کی مدح اور میسر امانہ  
 اور پھر اب کہ ضعف پیری سے  
 پیری و عیسیٰ، خدا کی پناہ  
 صرف اظہار ہے ارادت کا  
 حق گستر نہیں، دُعا گو ہے  
 ہے دُعا بھی ہی کہ نہیں

کہ جہاں گدیہ گر کا نام نہیں  
 ترالہ آسانچے میں ویر نہیں  
 جیلوہ لولیان ماہ جیس  
 یاں وہ دیکھا چشم صورت میں  
 بمال مجتہل و تزمیں  
 اور بال پڑی ہے، دامن نہیں  
 بن گیا، دشت، دامن چھپیں  
 رہروں کے مشام، عطر آگین  
 فوج کا ہر پیادہ ہے فزین  
 جس طرح ہو سپہر پر پرویں  
 ران پر داغ تازہ دسے کے ہیں  
 خاص بہرام کا ہے زیبے میں  
 دُعا، عرض ہیں شعہ نہیں  
 گو کہوں بھی، تو آئے کس کو نہیں  
 ہو گیا ہوں نزار و زار و حزنیں  
 دست خالی و خاطر غلگین  
 ہے قلم کی جو سجدہ ریز جیس  
 غالب عاجز نیاز آگین  
 تم رہو زندہ حب و دلاں آئیں

## قصیدہ در مدح راجا شیو داس سنگھ مہالی گور

(۶)

گنتی ہیں سال کے رشتے میں میں باگرو  
گرہ کی کہ ہے گنتی کر تا بروز شمار  
یقین جان برس کا ٹھہکا جو تاکا  
گرہ سے اور گرہ کی امید کیوں نہ پڑے  
دکھا کے رشتہ کسی توشی سے چھپا تھا  
کہا کہ چرخ پہ ہم نے گنتی نہیں تو گنتی  
خود آسمان سے مہا ناؤ راجہ پر میرے  
وہ ناؤ راجہ بہادر کہ حکم سے جن کے  
انہیں کی سالگرہ کے لئے ہر سال بھل  
انہیں کی سال گرہ کے لیے بناتا ہے  
انہیں کی سال گرہ کی ریشاد مانی ہے  
انہیں کی سالگرہ کے لیے ہے یہ توقیر  
سُن اُنے علم برس کا ٹھہکا کہ تانے  
پئے دعائے بقاء جناب فیض لب  
ہزار دانے کی تسبیح چاہتا ہے یہی  
عطا کیا ہے خدا نے یہ جاذب اُس کو  
کشاہ رخ پھر کیوں جہاں میں

ابھی حساب میں باقی ہیں سو ہزار گرہ  
ہوا کرے گی ہر اک سال پیش کا گرہ  
یہ لکھاں ہے کہ میں اس میں ہزار گرہ  
کہ ہر گرہ کی گرہ میں ہیں تین چار گرہ  
کہ دیکھ گنتی اٹھا لے گا یہ ناؤ گرہ  
جواں گنتی گئے تو پادیک توں ارگرہ  
کسے کا سینا کیوں اس تار پناؤ گرہ  
زول ہوتا رہے فی الغود دانہ وار گرہ  
کہ لائے غیب سے غنیمت کی تو بہار گرہ  
ہوا میں بوند کو ابرنگ بار گرہ  
کہ چمکے ہیں گہرے شہاب وار گرہ  
کہ بن گئے ہیں خمرے شہاب وار گرہ  
تھے بتاؤں کہ کیوں کہ ہے عقدا گرہ  
گئے گی اس میں خرابی کی استوار گرہ  
بلاشب اللہ درکار ہے ہزار گرہ  
کہ چھوڑا ہی نہیں رشتہ نہ ہزار گرہ  
بچے ناؤ پئے ہزار نقاب یار گرہ

سارے میش کا ہے قافلہ چلا آتا  
 مارنے دی ہے وہ غالت کوڑکا چن  
 جہاں مجال سخن بہ سانس لے نہیں سکتا  
 پرہ کا نہ لیا، پر نہ کر سکا کچھ بات  
 کھلے یہ گانڈ، تو البتہ دم نکل جاوے  
 عمر نہ ہو گی توجہ حضور کی جب تک  
 یہ ہے کہ خالق کے دل میں از رو بغض  
 اس کا کچھ نہ کہے، نکلے جس کی چوڑے کی

کہ عبادہ رشتہ ہے اور پشتر قمار گرو  
 کلورڈ ڈھونڈ کے لانا ہے خاکسار گرو  
 پڑی ہے دل میں مرے غم کی پیدل گرو  
 زباں تاک آگے ہوئی جھکے کا بار گرو  
 بڑی طرح سے ہوئی ہے گم کا بار گرو  
 کبھی کسی سے کھلے گی نہ زینہا گرو  
 پڑی ہے یہ جو بہت سخت تابکار گرو  
 خدا کرے کہ کرے اس طرح ابکار گرو



# قصیدہ در مدح نواب میکوڈ بہادر

(۷)

فرمانروائے کشورِ غیباب کو سلام  
نواب مستطاب، امیرِ سرشارِ احتشام  
ترکِ فلک کے ہاتھ سے وہ چین لیں جس  
داں آسمان شیشہ بنے، آفتاب جام  
دل سے کہا کہ یہ بھی ہے تیرا خیال تمام  
حضرت کا عز و جاہ رسے کا علی اللہ وام  
دریائے نور ہے، فلک آہنگینہ تمام  
حق کے تقاضات سے، ہر مرجعِ انعام  
تحریرِ یاب جس سے ہوا بندہ تلخ کام  
کاتب کی آستین ہے، گزرتیغ کا تیار  
جب یارِ اگمتی ہے، کیجا یا ہے تمام  
لمبرِ رہا، نہ نذر نہ غفلت کا انتظام  
جس نے جلا کے راکھ مجھے کر دیا تمام  
استاد ہو گئے لب دریا پر جب خیام  
لمبرِ ملا شعیب میں، از روئے اہتمام  
دربار میں جو، مجھ پہ چسپی، پشک عوام  
عزت جہاں گئی، تو نہ ہستی رہی، نہ نام

کتاب ہے، چرخ، روز بصد گونہ احترام  
حق گوئے، حق پرست، حق اندیش، حق شناس  
جسمِ رتبہ میکوڈ بہادر کہ وقتِ رزم  
جس بزم میں کہ جو انہیں آہنگ میکشی  
چاہا تھا میں نے تم کو سہ چادرہ کہوں ق  
دورات میں تمام ہے، ہنگامہ ماہ کا  
یہ ہے تم آفتاب ہو جس کے فروغ سے  
میری سوز کہ آج تم اس سوز میں پر  
اخبارِ لودھیانہ میں میری نظر پڑی  
لکھوئے ہوا ہے، دیکھو کے تحریر کو، جگر  
وہ فرد جس میں نام ہے میرا غلط کھ  
اسب صورتیں بدل گئیں، ناگہ ایک مسلم  
شتر برس کی عمر میں یہ داغ جاں گوار  
حقِ جنوری بیٹنے کی تاریخ، تیرھویں  
میں بزمِ پُر فروغ میں اس تر و بخت کو  
سچا اُسے گواہ، ہوا پاش پاش دل  
عزت پہ اہل نام کی، ہستی کی ہے بنا

تھا ایک گونہ ناز جو اپنے کمال پر  
 آیا تھا وقت ریل کے کھٹنے کا بھی قریب  
 اس کشمکش میں آپ کا مدارج درو مند  
 جو وہاں نہ کہہ سکا وہ بکھا ہے حضور کو  
 ایک وسیع نہ ہو تو نہ ہو کچھ ضرر نہیں  
 ہو یہ کہہ سکا وہ ہر میں جو مدارج خوان ہو  
 جو ہے تدارک اس کا گوہر فنت کو ضرور  
 ہر حربہ بدید کا کہ نہیں ہے مجھے سراپا  
 ہے بندے کو امداد عزت کی آرزو  
 ستر و فن شمس میں ہے قدیم سے  
 ہے یہ دعا کہ زیر نگین آپ کے رہے

اس ناز کا فلک نے کیا مجھ سے انتقام  
 تھا بارگاہ خاص میں غفلت کا از و حاص  
 آفت نے ناموس سے نہ کچھ کر سکا کلام  
 دیں آپ میری داد کہ ہوں فائز افرام  
 سلطان بر و بحر کے در کا ہوں میں عسلا م  
 شاہان عصر چاہیے لیں عزت اس کے نام  
 بے وجہ کیوں ذلیل ہو غائب ہے جگہ نام  
 بارے متقدم قاعدے کا نچا ہیے قیام  
 چاہیں اگر حضور کو مشکل نہیں یہ کام  
 یعنی دعا پر مدارج کا کرتے ہیں اقتسام  
 اقلیم ہندوستان سے تا ملک روم و شام

# مثنویات

## مثنوی در صفتِ انبہ

(۱)

جانِ دلِ درد مند ز منہ مر سار  
کیوں نہ کھولے درخیزِ نیراز  
حسنِے کا صنفے پر رداں ہوتا  
شاخِ گل کا ہے گلِ فشاں ہوتا  
مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا کھیے؟  
نکتہ ہائے خسرو فزا کھیے  
بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جانے  
خامہ نخلِ رطبِ فشاں ہو جانے  
آہم کا کون، مردِ مینداں ہے؟  
ثمر و شاخ، گوئے و پتہ کاں ہے  
ناک کے جی میں کیوں رہے ارمان  
آئے، یہ گوئے اور یہ مینداں  
آہم کے آگے پیش جاوے خاک  
پھوڑتا ہے جلے چھوٹے تاک  
نہ چلا، جب کسی طرح، صفتِ نور  
بادۂ ناب بن گیا، انگوٹہ  
یہ بھی ناچار، جی کا کھوتا ہے  
شدم سے پانی پانی ہوتا ہے  
مجھ سے پوچھ، تمہیں خبر کیا ہے  
آہم کے آگے نیشد کیا ہے  
نہ گلِ اُس میں نہ شاخ و برگ نہ بار  
جب خزاں آئے تب ہر اُسکی ہوا  
اور دوڑا سنے قیس کس کہاں؟  
جانِ شیریں میں یہ ہنساں کہاں  
جان میں ہوتی، گزیرے شہِ بخارا  
کوہِ مین، بادِ جود غمگین

یعنی دینے میں اس کو عیت جان  
 نظر آتا ہے یوں مجھے یہ قدر ق  
 تشن گل پہ قند کا ہے قوام  
 یہ ہر جگہ کہ فطر طراقت سے  
 تجسین کے، حکم رب الناس  
 لگا کر خضرت نے شاخ نبات  
 تب ہوا ہے مرفشاں، یہ نخل  
 ق تار بچ زر ایک، خسرو پاس  
 ام کو دیکھت اگر یک بار  
 فوق کار کا وہ برگ و فرا  
 سرور راہ حسلد کا ترشہ  
 صاحب شاخ و برگ و بار ہے ام  
 قاس وہ آم، جو نہ آرزو ہوا  
 کہ کہ ہے واپی ولایت مہد  
 غزوین، عزیز شان و جاہ حلال  
 ق فرما سے دین و دولت و بخت  
 سایہ اس کا، ہنس کا سایہ ہے  
 سے نفیض و جوڑ سایہ و نور  
 جس حنداوند بنده پرور کو  
 شاد و دل شاد و شاد ماں رکھیں

پر وہ یوں سہل دے نہ سکتا جان  
 کہ دوا حنا نہ ازل میں، نگر  
 خیر سے کے تار کا ہے ریشہ نام  
 باغبانوں نے باغ حیات سے  
 بھر کے بیج ہیں سر بہر گل کاس  
 قدقوں تک دیا ہے آب حیات  
 ہم کہاں، ورنہ، اور کہاں یہ نخل  
 رنگ کا زرد پر کہاں، بو باس  
 چھینک دیتا طلا سے دست افشاں  
 نازش دوو ماہن آب و ہوا  
 طوبی و سدرہ کا جگر گوشہ  
 ناز پروردہ بہار ہے ام  
 تو بہر نخل باغ سلطان ہوا  
 عدل سے اس کے، ہے حمایت مہد  
 زینت طینت و جمال کمال  
 چہرہ آرائے آج و مسند و تخت  
 خلق پر وہ حندا کا سایہ ہے  
 جب تک کہ ہے جوڑ سایہ و نور  
 وارث منج و تخت و افسر کو  
 اور غالب پہ مہر ماں رکھیں

## مثنوی پتنگ

(۲)

ایک دن مشعل پتنگ کا فدی  
خود بخود کچھ ہم سے گھینا لگا  
میں کہا: "اے دل ہوئے دلبران  
بیچ میں ان کے نہ آنا، زنیہار  
گدے پندے پرندان کے کر نظر  
اب تو مل جائے گی تیری ان سرسائند  
صفت شکل ہو گا سبھانا تجھے  
جو محفل میں بڑھاتے ہیں تجھے  
ایک دن تجھ کو اڑا دیں گے کہیں  
دل لے مرن کر، کاپ کر کھا بیچ و تاب  
سرشتہ در گردنم اعلیٰ دوست

لے کے دل سرشتہ آزادگی  
اس قدر بڑا کہ سر کھانے لگا  
بسکہ تیرے حق میں رکھتی ہے زیاں  
یہ نہیں ہیں گے کسی کے یا عفت  
کھینچ لیتے ہیں یہ دوسرے ڈال کر  
لیکن آخر کو پڑے گی ایسی گانٹھ  
قبر ہے دل ان سے اُجھانا تجھے  
بھول مت اس پاٹنا ہے تجھے  
مفت میں، حق کٹا دیں گے کہیں  
غوطے میں جا کر دیا کٹ کر جواب  
می بُرد ہر جا کہ خاطر خواہ دوست

# قطعات

## قطعہ در مدح بہادر شاہ

(۱)

اسے شہنشاہِ فک منظر بے مثل و نظیر  
 پاؤں سے تیرے سے فرقِ ارادت افسانہ  
 تیرا انداز سخن، شاہِ دلفِ اہم  
 تجھ سے عالم پر کھلا رابطہ قربِ حکیم  
 سخنِ اوج دو مرتبہ معنی و لفظ  
 تیرے وقت میں ہمیش و طرب کی توقیر  
 ماہ سے چھوڑ دیا توڑ سے جانا باہر  
 تیری دانش میری اصلاحِ مفاسد کی زمین  
 تیرا اقبالِ برحق میرے جیسے کی نوید  
 سخت سازنے چاہا کہ نہ دے مجھ کو امان  
 پیچھے والی ہے سرشتِ اوقات پر گناہ  
 کششِ دم نہیں بے غابطہ جو عقل  
 عزمِ گیتی سے مرا سینہ، غر کی زنجیل

گھر میری گہر اندوڑا اشارت کثیر  
میرے اہام پہ ہوتی ہے تصدیق تو نہ صریح  
تیک ہوتی میری حالت تو نہ دیتا تخلیف  
قدہ کون و مکان خستہ نوازی میں یہ دیر

(۲)

اے شہنشاہ آسمان اور ملک  
تھا میں اک بے قولے گوشہ نشین  
تم نے مجھ کو جو اکبر و غشی  
کہ ہوا مجھ سا ذرہ نا چیز  
گرچہ از روئے فلک بے ہنری  
کہ اگر اپنے کو میں کہوں حسرت کی  
شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں  
خانہ زاد اور مرید اور مداح  
بارے تو کر بھی ہو گیا صد شکر  
کہ کہیں آپ سے تو کس سے کہوں؟  
چہرہ و مرشد اگرچہ مجھ کو نہیں  
کچھ تو جبار سے میں چاہیے آخر  
یکوں نہ درکار ہر مجھے پرکشش؟  
کچھ خریدنا نہیں ہے ایک سال  
رات کو آج اور دن کو دھوپ

اسے جہاں دار آفتاب آثار  
تھا میں اک درویش سینہ نگار  
ہوتی میری وہ گرمی بازار  
رُوشناسی ثوابت و ستار  
ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خواہر  
جاننا ہوں کہ آئے خاک کو عار  
بادشہ کا غلام کار گزار  
تھا ہمیشہ سے یہ علینہ نگار  
نسبتیں ہر گیس مشخص چار  
مدعا سے ضروری الاظہار  
ذوق آرایش سرد و ستار  
ماندے باد ز مہر یہ آزار  
جسم رکھتا ہوں ہر اگرچہ نزار  
کچھ ہمت یا نہیں ہے اب کی بار  
بھار میں جا میں ایسے لیل و نہار

آگ تپے کہاں تک انسان  
 دھوپ کی تابش آگ کی گرمی  
 میسری تنخواہ جو مقرر ہے  
 رسم سے غروے کی چھ ماہی ایک  
 مجھ کو دیکھو کہ ہوں بقید حیات  
 بسک لیتا ہوں ہر مہینے قرض  
 میسری تنخواہ میں چہدام کا  
 آج مجھ سے نہیں زمانے میں  
 روزم کی داستان گر شنیے  
 بزم کا استقام گر کیجے !  
 ظلم ہے 'گر نہ دو سخن کی داد  
 آپ کا بستہ اور پھروں ننگا؟  
 میسری تنخواہ کیجے ماہ بیاہ  
 ختم کرتا ہوں اب دُعا پہ کلام  
 تم سلامت رہو ہزار برس

دھوپ کھاوے کہاں تک جاندار  
 وقین رتب عذاب امتدار  
 اُس کے بننے کا ہے عجب ہنجاہ  
 خلق کا ہے اسی چیلن پہ انداز  
 اور چھ ماہی ہر سال میں دو بار  
 اور رہتی ہے سود کی تنکھار  
 ہو گئی ہے شریک ساہوکار  
 شاعر نفس زد گئے خوش گفتار  
 ہے 'زباں میری تیغ جو ہر دار  
 ہے قلم میسری ابرگر ہر بار  
 قہر ہے گر کرو نہ مجھ کو پیار  
 آپ کا فکر اور کھاؤں اُدھار؟  
 تانہ ہو 'مجھ کو زندگی دُشوار  
 شاعر میسری سے نہیں مجھے سوار  
 ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

(۳۱)

سے شاہ جہانگیر جہاں بخش جہاں دار  
 عقدہ دشوار کہ کوشش سے نہ ہوا  
 مکن ہے 'کرے مختصر مکذّر سے ترا ذکر  
 صفت کو سیماں کی وزارت شرف تھا

ہے غیب ہر دم تجھے صد گونہ شایان  
 تو واکرے اُس عقدے کو سوجھی اشارت  
 گر لب کو نہ دے چشمہ حیاں سے عہد  
 ہے فخر سیماں 'جو کرے تیری وزارت



ہے نقشِ مریدی ترا، فداںِ الہی  
 ہے دایغِ غلامیِ ترا تو مسیحِ امارت  
 اب سے گریبِ کسے طاقتِ سیلاں ق  
 تو آگ سے گروغِ کسے تابِ شزارت  
 ہوئے نہ ملے، موجِ دریا میں ردوانی  
 باقی نہ رہے، انکسِ سوزاں میں بھارت  
 ہے گرجہ، بجے کنتہ سدا میں تو غل  
 ہے گرجہ، بجے سحرِ لازی میں مہارت  
 کیوں کر نہ کروں مدح کو میں ختمِ دعا پر؟  
 قاصر ہے ستائش میں تری میری عبادت  
 تو روز ہے آج، اور وہ دن ہے کب سے میں  
 نفلِ لگی منعت حق، اہلِ بصارت  
 جھک کر، شرفِ مہرِ جہاں تابِ مبارک!  
 غالب کو، تیرے عقبہِ عالی کی زیارت

## سہرا شہزادہ جواں بخت

(۴)

خوش ہو اے بخت، کہ ہے آج تیرے سہرا  
 بانڈھ شہزادہ جواں بخت کے سر پہ، سہرا  
 کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پر بھلا لگتا ہے  
 ہے تیرے حسنِ دل افزوں کا قلیوڑ سہرا  
 سر پہ چڑھنا تجھے چھتا ہے پرستارِ کلاہ  
 مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا ملینز سہرا  
 ناؤ بھر کر ہی پرٹے گئے ہوں گے موتی  
 در نہ کیوں لئے میں کشتی میں لگا کر سہرا  
 سات دیا کے فراہم کیے ہوں گے موتی  
 تب بنا جوگا اس انداز کا گڑبھ سہرا  
 رُخ پہ دو لھا کے جو گری سے پسینہ ٹپکا  
 ہے رگِ ابر گنہگار سراسر سہرا  
 یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبائے ٹھٹھ جانے  
 رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا  
 جی میں اترا میں نہ موتی کہ میں ہیں اک چیز  
 چاہیے پھولوں کا بھی ایک، مقدر سہرا  
 جبکہ اپنے میں کاویں نہ خوشی کے ماسے  
 گوندھے پھولوں کا بھلا چر کوئی کیونکر سہرا

سج روشن کی دمک گوہر غلطان کی چمک  
 لائے گاتاب گراں باری گوہر سہارا  
 دیکھیں سہ سہرے سے بڑے کوئی بڑھ کر سہارا  
 سخن غم ہیں غالب کے طرف دار نہیں

## معذرت

(۵)

منظور ہے گزارش احوال واقعی  
 سرشت سے ہے پیشہ بابہ گری  
 آزادہ رہوں اور ملا سکتا ہوں  
 کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں  
 استاد شہ سے ہو مجھے پرغاش کا خیال  
 جام جہاں نسا ہے شہنشاہ کا خمیر  
 میں کون اور تختہ؟ ہاں اس سے دعا  
 سہرا لکھا گیا دروہ اقبال اُسر  
 قطع میں آپڑی ہے سخن گستر بات  
 دوسے سخن کسی کی طرف ہو تو رو سیاہ  
 قسمت بُری ہوئی یہ طبیعت بُری نہیں  
 صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ  
 اپنا بیان سخن طبیعت نہیں مجھے  
 کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے  
 ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے  
 مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے  
 یہ تاب یہ عیال یہ طاقت نہیں مجھے  
 سو گند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے  
 جز اتساؤ خاطر حضرت نہیں مجھے  
 دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے  
 مقصود اُس سے قطع بحث نہیں مجھے  
 سودا نہیں جنوں نہیں ہمت نہیں مجھے  
 ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے  
 کہتا ہوں سچ کہ ٹھوٹ کی تہا نہیں مجھے

## مدح بتقریب نیاز ماہ صفر

(۶)

ہے چار شنبہ آخر ماہ صفر، چلو  
 رکھ دیں جین میں بھر کے شکر کی تازہ  
 آئے جام بھوکے پیے اور ہو کے مست  
 ہنرے کو زندہ آچھٹے پھونکو جانے چاند  
 قاتل کیا کیا بیاں ہے؟ بجز مدح بادشاہ  
 حاکم نہیں ہے اب مجھے کوئی نوبت خواہ  
 بیٹے ہیں سونے رپے کے چھتے حضور میں  
 جے جن کے آگے سیم و زر نہروماہ مانہ  
 میں سمجھے کہ بیچ سے غالی کیے ہوئے  
 لاکھوں ہی آفتاب میں اور بے شمار چاند

## عذرِ صوم

(۷)

عذرِ صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو  
 اُس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے  
 جس پاس روزہ کھول کے کھائے کچھ نہ ہو  
 روزہ اگر کھائے تو ناچار کیا کرے

## مُذَرِّعَدَم حاضری ربار

(۸)

سہل تھا سہل سے رخت مشکل آ پڑی  
 مجھ پر کیا گزرتے گی اتنے بعد حاضری نہ ہے  
 دین سہل کر پہلے تین دن سہل کے بعد  
 تین سہل تین تیرو تین یہ سب کے دن ہوئے

## شکریہ بیسی روٹی

(۹)

میرے چہرے اس کی حقیقت، حضورِ دالانے  
مجھے جو بھی ہے بیسن کی روٹی روٹی  
جو کھاتے ہیں، نکلے نہ غلے باہر  
جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسی روٹی

## شکوہ سلام دربار

(۱۰)

گو ایک بادشاہ کے سبب نہ زادیں  
دربار دار لوگ ہم آشنا نہیں  
کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں گرجے سلام  
اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

## قطعہ در مدح نصرت الملک بہادر

(۱۱)

نصرت الملک بہادر، مجھے بتا کہ مجھے  
جو ہے جو اتنی ارادت، تو کس بات ہے  
گرچہ تو وہ ہے کہ جنگاں میں اگر گروم کرے  
روشن بزمِ مہر تری ذات سے ہے  
خود نہیں وہ ہوں کہ گرجی میں کبھی خود کروں  
غیر کیا، خود مجھے نصرت یہی اوتار ہے  
مشکل کا جو جلا جس کے بے شک سر دست  
نسبت اک کو نہ مرے نہ کو تھے تھے ہے  
اتھ میں تیرے رہے تو سن دولت کی عیاں  
یہ دعا، شام و سحر، قاضی حاجات سے ہے  
سکندر ہے، مرا فخر ہے من تیرا  
گو شرف نصرت کی میں مجھ کو ملاقات ہے  
یہ گزشتہ نہ گمان رو رو رہا کا نہ بہار  
غائب خاک نشین اہل خرابات سے ہے

## قطعہ تاریخ شادی میرزا جعفر

(۱۲)

جستہ انجمن طبعیہ میرزا جعفر  
 کہ جسکے دیکھے سے سب کا ہر ہے بکھڑوٹ  
 ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال میں غالب  
 نکلیں ہر مادہ سال عیسوی "مخطوطہ" ۱۲۵۰ھ

(۱۳)

ہوئی ہے جب میرزا جعفر کی شادی  
 سوا بزم طرب میں قصہ تاہید  
 کہا غالب سے : تاریخ اکی کیا ہے  
 تو بولا : انشراح خبریں بحر شید  
 ۱۲۵۰ھ

## سہرا

(۱۴)

چرخ نکلتا ہوم ہے کس ہوم سے آیا سہرا  
 چاند کا دائرہ لے زہرہ نے گایا سہرا  
 شکستہ طوق میں آپس میں اُچھ کر لڑائیاں  
 باندھنے کے لیے جب سر نہ اُٹھایا سہرا

## سہرا شہاب الدین خاں

(۱۵)

مہم نشیں تارے ہیں اور چاند شہاب الدین خاں  
 ہر مہم نشیں تارے ہیں اور چاند شہاب الدین خاں  
 ہر مہم نشیں تارے ہیں اور چاند شہاب الدین خاں  
 ہر مہم نشیں تارے ہیں اور چاند شہاب الدین خاں

# چکنی ڈلی

(۱۶)

ہے جو صاحب کے کف دست پر چکنی ڈلی  
خاموش آفتاب بدلتا کہ اسے کیسے لکھیے  
جسے محنت و عجز و زان گرامی لکھیے  
کسی آلودہ سر آفتاب حیدر لکھیے  
کف قدم دست سلیاں کے مشابہ لکھیے  
نست بر سوز قیس سے نسبت دیجیے  
نور دل سود و دیوارِ سرمہ کیجیے فرض  
وضع میں اس کو اگر سمجھیے قاف تریاق  
نوشے میں اسے چھپا لے کر نہرِ ناز  
کیوں اسے قفل در گنج محبت لکھیے؟  
کیوں اسے گویا نایاب تسمیہ کیجیے؟  
کیوں اسے حکمتِ حیرانِ مستکی لکھیے؟  
تندرہ پرور کے کف دست کو کیسے فرض

زیب و تیار ہے اسے جس قدر اچھا لکھیے  
ناطقہ سر بگرمیاں کہ اسے کیا لکھیے  
حسرت بازوئے شکر فانی خود آرا لکھیے  
فارغ طرفِ دیگر عاشق شیدا لکھیے  
نہرِ پستانِ پری زاد سے مانا لکھیے  
خالِ مشکین رخ و کُش لکھیے  
نافۂ ۲۰ ہونے بیابانِ سخن کا لکھیے  
رنگ میں میزۂ توشیحِ مستی لکھیے  
میکدے میں اسے شربتِ خم صبا لکھیے  
کیوں اسے نقطہ پر کا دست لکھیے؟  
کیوں اسے مژدک دیدۂ غنقا لکھیے  
کیوں اسے نقشِ پئے نادرِ سلا لکھیے  
اور اس چکنی سُپاری کو سودا لکھیے

## یادگارِ کلکتہ

(۱۷)

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہمیشہیں  
راک تیر میرے سینے میں مارا رکھے ہے

وہ سبز زار ہائے سطر کہ ہے غضب  
وہ نازنین بُستِ ان خود آرا کر طے ہائے  
صبر آزار و اُن کی نگاہیں کہ خفا نظر  
طاقت رُبا وہ اُن کا اشارہ ہائے ہائے  
وہ میوہ ہائے تازہ شیریں کردادہ دادہ  
وہ بادہ ہائے ناب گوارا کہ ہائے ہائے

## تجدیدِ الفت

(۱۸)

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری  
کیا کرتے تھے تم تعزیرِ ہم خاموش رہتے تھے  
نہیں اب گھر سے یہ کیا شرمندگی جانے ڈل جاؤ  
قسم تو تم سے لگے بھی کہیں: کیوں ہم نہ کہتے تھے

## شکوہِ نجات

(۱۹)

سیدِ کلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے  
جہاں میں جو کوئی: فتح و ظفر کا طالب ہے  
میرا نہ غلبہ میسر کیسی کسی پہ مجھے  
کہ جو شریک ہو میرا، شریکِ غالب ہے

## شہرِ آشوب

(۲۰)

بسکہ فعال مایہِ دید ہے آج  
ہر سکشورِ انگِ ستار کا  
گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے  
نہرہ ہوتا ہے آبِ انساں کا  
یوں جس کو کہیں وہ قتل ہے  
گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا  
شہرِ دہلی کا ذرہ ذرہ خاک  
قشہِ خون ہے ہر مسماں کا  
کوئی دامن سے نہ آسکے یاں  
آدھی دامن نہ جاسکے یاں

میں نے مانا کر مل گئے، پھر کیا ؟  
 مہاجر جہل کر کیا کیسے شکوہ  
 وہی رونا تن و دل و مہاں کا  
 گاہ رو کر کہا کیسے ہاں ہسم  
 سوزشیں داغ ہائے پنہاں کا  
 اس طرح کے وصال سے یا رب  
 ماجسا دید ہائے گریاں کا  
 کیا ٹٹے دل سے داغ ہجراں کا

(۲۱)

ایک اہل دروئے سنسان جو دیکھا تھیں  
 یوں کہا آتی نہیں کیوں اب صدائے غنایہ  
 بال و پر دو چار دکھلا کر کہا ستیا دے :  
 "یشانی رہ گئی ہے اب بجائے غنایہ"

## شاعر کا دل

(۲۲)

ٹھا اک دن گورا سا جو کچھ میں سوز و شست میں  
 نظر آیا مجھے اک طائر جس طرح پر بستہ  
 کہا میں نے کہ "او گنام" آخر جا کیا ہے ؟  
 ہنسنا کچھ کھل کھلا کر پہلے پھر مجھ کو جو بچانا  
 کہا : میں صبر میں ہوں تاکہ جس کے دم گھٹنوں  
 میں کے زلف رخ کا دھیان جو شام دیکھ مجھ کو  
 کہ شرم خود جو دیکھا، مہرا ہی طائر دل بھٹ  
 چرا آسمان سر نہ گھبرا گیا تھا جی بیاباں سے  
 چلتا تھا سب شوریدہ دیوار گستاں سے  
 پڑا ہے کام تجھ کو کس سبکدوشی میں سے  
 تو یہ رویا کہ جو تے خوں ہی پلکوں کے داماں سے  
 پھنسا کر تے ہیں طائر روز آ کر داغ خوں سے  
 نہ مطلب کفر سے ہے او شے کچھ کام کیاں سے  
 کہ بل کر ہو گیا یوں خاک سیری آؤمڑاں سے



## مرثیہ

(۲۳)

کلیں اسے نفس یادِ بحر، شعلہ نشاں ہو  
اسے دھندلے خون، چشمِ ملائک سے ڈاں ہو  
اسے زہرِ مرقم، لبِ عیسیٰ پُفساں ہو  
اسے ماتیانِ شش، مظلوم کہں سے ڈاں ہو

بگڑی ہے بہت بات، بنائے نہیں ملتی

اب گھر کو بغیر آگ لگائے نہیں ملتی

تابِ سخن و طاقتِ نوعِ انہیں ہم کو  
ماقم میں شہرِ دیں کے ہیں سودا نہیں ہم کو  
گھر بچو نکلنے میں اپنے، محابا نہیں ہم کو  
گر حیرت بھی جل جائے تو پُچھ نہیں ہم کو

یہ خورگہ پُچھ پا یہ جو مدت سے چاہے

کیا خیرِ شبیر سے رتبے میں سوا ہے

کچھ اور ہی عالم بنے دل و چشمِ وزباں کا  
کچھ اور ہی نقشاں نظر آتا ہے، جہاں کا  
کیسا فکرت اور مہرِ حیاں تاب کہاں کا  
ہر گاہ دل بے تاب کسی سوختہ جہاں کا

اب صاعقہ و مہر میں کچھ فرق نہیں ہے

گرتا نہیں اس کو سے لہزِ برق نہیں ہے

# رُبَاعِیَات

## طرزِ غالب

(۱)

مشکل ہے، زمیں، کلام میرا، اسے دل سن سن کے اُسے غنودین کامل  
 آسان کہنے کی، کرتے ہیں فرمایش "گویم مشکل،" وگرنہ گویم مشکل۔

## آرزوئے اعادۂ شباب

(۲)

بعد از اتمام بزمِ عیدِ اطفال ایامِ جوانی رہے ساغرِ کشرِ حال  
 آہِ بچے میں تا سوادِ استلیمِ عدم اسے عمر گزشتہ، یک قدمِ استقبال

## جوشِ گریہ

(۳)

شبِ زلفِ دُرخِ عرقِ نشانِ کاغذِ تھا کیا شرحِ کموں پہ کہ طرفہ ترِ عالم تھا  
 دیوایں ہزارِ آنکھ سے صبحِ تنک ہر قطرۂ اشکِ دیدہ پر غم تھا

## حسرت دیدار

(۴)

دل تھا کہ جو جانِ درد تمہید سہی  
بے تابی رشک و حسرت دیدار  
ہم اور فسادِ اسے تجلی، افسوس!  
نکارِ زور نہیں، تو متحد یہ سہی

## بغض و حسد

(۵)

ہے خلقِ حسد قماشِ لڑنے کے لیے  
وشتِ کدہ تلاشِ لڑنے کے لیے  
یعنی ہر بار صورتِ کا غرِ باد  
ملے ہیں یہ معاشِ لڑنے کے لیے

## جوڑ بتاں

(۶)

ہر تشبازی ہے جیسے شغلِ اطفال  
ہے سوزِ جگر کا بھی اسی طور کا حال  
تھا موجبِ عشق بھی قیامت کوئی  
لوگوں کے لیے کیا ہے یہ کھیلِ حال

## لذتِ آزار

(۷)

دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غائب  
دلِ رک رک کر زند ہو گیا ہے غائب  
واللہ! کرب و غم کو نیند آتی ہی نہیں  
سونا، سوگند ہو گیا ہے غائب

## درماندگی

(۸)

بول سخت نژاد ہو گیا ہے، گویا اُس سے کدو مند ہو گیا ہے، گویا  
خیر یار کے آگے بلی سکتے ہی نہیں غالب، اُمتہ بند ہو گیا ہے، گویا

## ستم ظریفی

(۹)

بچتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں عشاق کی پرستش سے اُسے غائب نہیں  
ہوتا تھا کہ ظلم سے اُٹھایا ہو گا کیونکر مائوں کو اُس میں تکرار نہیں

## مدح بہادر شاہ

(۱۰)

میں شہ میں صفاتِ ذوالجلالی باہم آثارِ حبیبِ لالی و جمالی باہم  
میں شاد نہ کیوں، ماضی و عالی باہم ہے اب کے شبِ قدر و دوالی باہم

## دُعایِ بہادر شاہ

(۱۱)

حق شہ کی بقا سے، خلق کو شاد کرے تا شاہ، شہیدِ دانش و داد کرے  
دی جوئی ہے، شدتِ عمر میں گانہ ہے صفر کہ انسِ انیس، اعدا کو کرے

## دعا بحق بہادر شاہ

(۱۲)

میں رشتے میں لاکھ تار ہوں بلکہ سوا  
اتنے ہی برس شمار ہوں بلکہ سوا  
پندرہ سینکڑے کو ایک گروہ فرض کریں  
ایسی گریں ہزار ہوں بلکہ سوا

## شکریہ تحفہ دال

(۱۳)

بھیجی ہے جو مجھ کو شاہِ مجاہد نے دال  
ہے لطفِ سعادت بہنشاہ پر دال  
یہ شاہِ پسند دال، بے بحثِ عدال  
ہے دولتِ ودین و دانشِ دولتی دال

## شکریہ تحفہ سیم

(۱۴)

ان سیم کے بچوں کو کوئی کیا جانے؟  
کیجیے میں جو اڑ غاں، شہر والے  
رنگ کے دیو ہیں گے ہم دعائیں سوار  
فیروز سے کی تیسرے کے ہیں یاد دالے

## عذرِ صنوم

(۱۵)

مسلمان خور و خراب کہاں سے لاؤں؟  
آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں  
ہرزہ مرا ایمان ہے، غالب، نیکون  
خس خانہ و رقیاب کہاں سے لاؤں

## شکوہ حق

(۱۶)

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے کرتے ہیں درنگ کام کرنے والے  
 کہتے ہیں کہین خدا سے "اللہ اشد" وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے

## شکوہ جواب

(۱۷)

ترقے کا جواب کیوں نہ بھیجا تم نے؟ ثاقب، حرکت یہ کیسے بیجا تم نے  
 حاجی ٹکڑے کسے بے وجہ جواب غالب، کا پرکا کلیجہ تم نے

## پرسش احوال

(۱۸)

دلے روشنی دیدہ شباب الدین غاں کتنا ہے بتاؤ کس طرح ہو رمضان  
 جوتی ہے تراویح ہر فرصت کہتے؟ سنتے ہو تراویح میں کتنا قرآن؟

## غالب کا مسلک

(۱۹)

ان لوگوں کو بے محمد صمد اوت گہری کہتے ہیں مجھے وہ راضی اور دہری  
 دہری کیونکر ہو جو کہ ہوسے صوفی؟ شیعی کیونکر ہو ماورائے شہری

## خاتمہ

سفینہ ختم ہوا اور مدح باقی ہے  
کچھ اور چاہیے وسعت مریمیاں کے لیے





## خاتمہ

فکر و فن کے جتنے گوشے روشن ہوتے جاتے ہیں اسی رفتار سے فوکارا بھرتے یا ڈھرتے جاتے ہیں۔ مصوری اور شاعری کی مد تک آئیے تو اس دنیا نے رنگ و آہنگ میں ہزاروں نقشہ کار رفتار درخشاں کئے ہیں مگر نگاہ فن آشنا کے انتخاب میں دو چار ہی آتے ہیں۔ مصوری میں تو یہ ہمارے خاص کا فن مانا گیا، کسی ایک معیار کے نقش یک جا ہرگز نہایت کاشت نہ ہونے سے عوام کو ان کے نام و نشان یاد ہیں۔ بہرآد کا نام بھی ہے کام بھی مگر مہر پر دروں نے آج تک اس کا اجماع کر کے سب کو فیض یاب نہ کیا۔ دور کیوں جاسیے خود آج کے استادوں میں عبدالرحمن چغتائی، استاد الدخیش اور محمد سکری جیسے مشائیر فن میں کس کا دفتر نقش و نگار مدون طور پر ایک کتاب میں موجود ہے؟ مغرب کے مصوروں اور شرق کے چاکر سائنسوں کے تفرقات کو اگر جمع ہی کیا گیا ہے تو اس کا حصول بھی ہر شخص کی دسترس میں نہیں۔ انہماک پر عشت و نظر میں وہ کاوش و ہم گیری بھی نہیں جو دفتر ضرورت کو حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شعر گوئی، شعر جمی، شعر ششماسی اور تنقید شعر فنون کی مدد سے نکل کر علم اور علم میں وہ جس کی گہرائی اور کناروں کا معلوم ہونا، شوارہ چرچا ہے۔

نقش و نگار کا عمل کس نپتے سے نچتے مزاج جوان اور کسی مد تک بڑھوں کی فطرت میں داخل ہے۔ اس کے باوجود نقوش ششماسی کا جذبہ ہر ایک میں نہیں ہے۔ بخلاف شعر و شعر گوئی کی تہذیب ہر دل میں ہے۔ نگارناہ فطرت میں ہے اور اس پر کان دھنا اور دھیان دینا بھی فطری

عمل ہے۔ یوں سمجھیے کہ تصویر و نقش کی تاثیر اتنی گہری نہیں کہ ہر درجہ کا انسان شدید طور پر متاثر ہو کر اسے حریرِ جان و تعویذ بازو بنائے اسے دیکھنے دکھائے اس سے مسرت و اطمینان کا بھر پور اثر لے لے بے لطف ہو کر نفوسِ یالوت اندوز ہو کر بے ساختہ بیچ اٹھے۔ شعر کی یہ حالت سب سے کم سن کر مرور جاری ہونا ہے چین ہو کر حسین و نفوس کا اظہار ایک عام بات ہے پسندیدہ تصویر سے تاثر کا اظہار اصل تصویر کے اعداد سے ممکن نہیں بلکہ شعر کی اچھائی یا بُرائی خود شعر کی محاورے سے ظاہر کی جاسکتی ہے اس لیے شعر سب کے لیے ہے۔ تصویر سب کے لیے نہیں ہے۔ تصویر نقش و رنگ کا پیرا کہن ہے اور کاغذ کی قیدی شعر و دیوان میں مقید ہوتے ہوئے کبھی فضا کے صوت و ماحول میں پریشان بھی ہو سکتا ہے۔ وہ بیک وقت قیدی بھی ہے اور آزاد بھی۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ نقش کی تاثیر صرف نظر کے ذریعے ہے۔ شعر و ناظر و ماحول و ماحول و ماحول سے اثر کرتا ہے۔ تصویر دیکھیے تو اثر ہوگا۔ شعر نہ دیکھیے نہ اثر ہوگا۔ اور دیکھیے تو ماحول و ماحول سے بادشاہوں کے شہستان اگر اسے ہوتے ہیں لہذا اس کے محل دل شس بستے ہیں۔ شعر و دیوان کی رد و قبول اور چھوڑنے کی آزادی اور پہل پسلی کا باعث ہیں۔ تصویر دولت چاہتی ہے اور شعر غربت کا ساتھ دے جاتا ہے۔ اچھی تصویر پہلی کا شمار برجاتی ہے۔ اچھا شعر ہر وقت نیا رہتا ہے۔ شعر زندگی میں گہری شعور میں توانائی اور نظر میں اظہار کی دانش و فرہنگ کو امداد دیتا ہے۔ تھکا ہوا مزدور شعر سن کر تھکن دور کرتا ہے۔ اچھا شعر پڑھ کر غم روزگار کا ڈاکٹر ہے۔ مختصر اس سے ذہن کو جادو بخشتا ہے۔ ایڈر اس سے قوم کی فکر کو بیدار کرتا ہے۔ استاد اس کے سہارے فلسفہ و آئین کے سبق دیتا ہے۔ ماہر نفسیات اس کے ذریعے شعور و لامعور کی گتھیاں حل کرتا ہے۔

خلف تاریخ و ماضی۔ تمدن و معاشرت۔ روزمرہ کی سادہ باتیں اور عوام و خواص کے اہم مسائل میں شعر کا سب سے زیادہ دخل ہے۔ ادب و فن۔ فکر و نظر۔ علم و عمل کی دنیا میں جوش و شمع مسرت و اطمینان پیش قدمی و پسپائی، جنگ و امن میں شعر کی قوت کا اندازہ آج کی

حقیقت نہیں ہمیشہ سے فلسفی اور سچائی اس کا اعلان کرتے رہے ہیں۔ شعر کا تعلق شمشیر و  
سنان سے بھی ہے اور طاؤس و رباب سے بھی ہے۔

غالب کا شعر، اردو ادب میں سب سے بلند مرتبہ کا حامل ہے۔ اس میں نقش و تصویر  
کے اوصاف بھی ہیں اور محبت اور موسیقی کی کرشمہ آفرینی بھی ہے۔ سب جانتے اور مانتے  
ہیں کہ غالب کا شعر زندگی کے جتنے مرحلوں میں کام آتا ہے، شاید ہی کسی کا شعر اس قدر  
کام آتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ دیوان غالب چھ آسنے کی قوت خرید رکھنے والے سے چھوٹے  
اور ساٹھ روپے تک کا خریدار حاصل کرتا ہے۔ پھر لطف بالائے لطف یہ ہے کہ دیوان  
کے ساتھ خود غالب بھی ہاتھ آتا ہے :

پاک جاتے ہیں ہم آپ متاع سخن کے ساتھ  
لیکن عیسار طبع خریدار دیکھ کر

دیوان غالب، ایک طرف ذوق خریدار کا معیار معین کرتا ہے اور دوسری طرف اس کے ساتھ  
متاع سخن کا وہ سرمایہ مہیا کرتا ہے جس میں خود غالب اپنی رنگارنگ الجھنوں، بیچ و بیچ و کا  
مصائب کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ زندگی کی شاد کامیاں، تماشوں کی سبکیاں، حسرتوں کی  
گھٹن اور عشقوں کے قبضے ہیں۔ فکری کے نئے اور زندہ رجحان، عمل کا متحرک نشاط، عشقوں  
سے محبت، عبرتوں پر تفکر، عام انسان کا دلی، نظام معاشرت و قوانین فطرت کی عکاسی ہے۔  
پھر ان پر طنز و تمخری ہے، تجزیوں کا غلام ہے اور ان کا مختلف پہلوؤں سے عمل اور رد عمل  
کا تجزیہ ہے۔ بلند نگاہی، عالی ہمتی، فراخ دلی اور خوش مذاقی کا سینہ، استراحت و قس قرح کے  
رنگوں سے عکس قبول کر کے نگہ جاتا ہے۔ اس رنگین پردے میں خود غالب کا سراپا سامنے  
نظر آتا ہے۔ اس کا اظہار ہر اقدار میں و شہاب رنگ، ابھیرے ہوئے خود و خیال، مست و تعلیق  
سکڑتے لب، گلابی رخسار، اس پر سوزوں ڈاڑھی، چوڑی پیشانی، بلند گردن، چوڑا سینہ اور  
خساب اعضا، ولایتی ڈیل ڈول، روایتی لہجہ، مگر تھمیرے آواز، زیر لب سکڑا ہٹ اور شوخ و

ظفرانہ گفتگوات میں بات پیدا کرنا، شکوہ ایسا کر سنانے والا جواب نہ دے سکے۔ سوال ایسا  
 کہ سوچنے والا تڑپ جیسے، جواب وہ کہ صاحب ذوق چوک اٹھے۔ دوسرے کے دل سے  
 خیال، دوسرے کی زبان سے بول، دوسرے کی فکر سے نکتہ آفرینی چھین لینا غالب کا نام  
 ہے۔ یہ سب باتیں ایسے خوبصورت انداز میں کہی ہیں کہ دیکھنے اور سنانے والا کہتا ہے،

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا بھی میرے دل میں ہے

غالب حشر کا شاعر ہے مگر روایتی حشر کو زندگی کے معنے دیتا ہے۔ وہ زندگی کا ترکان  
 ہے مگر نئے استعارہ قرار دیتا ہے۔ وہ غم نصیب ہے مگر دوسروں کو لگدگاتا ہے۔ وہ  
 ظریف الطبع ہے مگر دل کو لگداز بخشتا ہے۔

حسن فسر و غم سخن دور ہے اند

سہلے دل گداخت پیدا کیسے کئی

جو صد کی وسعتوں اور دنیا کی تنگیوں میں جو مسلسل تضاد اس نے دیکھے ہیں اُسے  
 پوری دیانت، صحت اور احتیاط سے بیان کرتا ہے۔ ابلاغ، اظہار، ترجمانی، بصیرت آفرینی  
 اس کا کرم ہے۔ وہ ہر سلی کی بات کرتا ہے مگر خود جبروتیہ ہے۔ یہی بنی مرتبہ اس کا معیار بنی  
 ہے اور اس کے شعروں اتنی عجیب پہلو داری پیدا کرتی ہے کہ اردو شعروں غزل کا دفتر اس کا  
 جواب پیش کرنے سے قاصر ہے :

گنجینہ معنی کا علم اس کو سنجھے

جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آئے

لفظ و معنی کے متفرق، استعمال، ان کہنے سے نئے پیرائے عطا کرنے کا جو ملکہ مرنے  
 کے لیے اسی کا جزئیہ اور مطالعہ ہوتا ہے کہ دیوان غالب پرانی قدروں ادب کی روایتی خوبیوں  
 کے علاوہ مستقبل کی نوا آئندہ کے زندہ و تابناک فن کا آئینہ ہے اس نے شاعر کے

عظیم مقصد کی نشاندہی کی ہے۔ غزل کی وسعت کا اندازہ بتایا ہے۔ ایک خیال کو بار بار بڑھاتے  
 کبھی مرقی بات کو کئی بار کہنے کا نیا تجربہ پیش کیا ہے۔ آپ دیوان غالب کو مسلسل پڑھیے، یا  
 جستہ جستہ، نشاط ذوق اور مسرت و جہاں کی نور و لذتوں میں ڈوبتے جائیں گے۔  
 محوِ کبریات و دوسری مرتبہ نئے رنگ و آہنگ میں شگفتگی دے گی۔ یہ رنگ فریبِ نظر  
 نہیں، یہ آہنگ، گوشِ وقوت سماعت تک محسوس نہیں بلکہ دل میں اترتا اور فکر کو حرکت دیتا  
 ہے۔ غالب کو شعوری طور پر اس بات کا احساس تھا:

شعر غالب نہ بُردِ وحی و نگویم، وے

تو ویدیاں، تمناں گفت کر الہائے بہت

ڈاکٹر بخٹوری کا مشہور عقیدہ اسی مطالعہ کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان کی الہامی کتابیں دیویں  
 وید اور دیوان غالب — وید کا حال تو معلوم نہیں لیکن دیوان غالب کے بارے میں ہر حال میں  
 کہنا سنا لائق نہیں کہ اس میں دہشتہ شاعری چیز سے دگر ضرور ہے۔ اس چیز سے دگر کی نسبت  
 ادب کا بہترین مشغلہ ہے۔ یہ دریافت و معنوں سے آشنا اور روشنیوں سے مستفید  
 کرتی ہے +

مرقی حبیب فاضل

(مضموری)



# روشنی اور وسعت

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگیِ جا کا  
گہر میں محو ہوا، اضطرابِ دریا کا

ترغیٰ حسین شاہ





معاون

آئینہ

روزن و شعاع

مصر اور بیابان

سال اور طوفان

راہی اور مسافر

نفس

عجبوں

فرد



## آئینہ

جلوہ از بسک آقا غنائے ننگ کرتا ہے  
 جہاں بیش نے بھرت کدہ شوخی ناز  
 پروئے شش جہت در آئینہ باز ہے  
 شکوہ سنج رخ یک دیگر نہ رہنا چاہیے  
 عطا فے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی  
 تاکہ تجھ پر کھلے عجب از ہوائے مستقل  
 کیا آئینہ غنائے کا وہ نقشہ تیرے جلوئے  
 لب میں ہیں اور باقم یکاں شہسب آرزو  
 آئینہ دیکھ اپنا سامند لے کر رہ گئے  
 صفائے حیرت آئینہ ہے سامان رنگ آخر  
 پر رنگ کا قدا کشزدہ فیرنگ بے باقی  
 وصال جلوہ تماشا ہے، پروا رخ کہاں؟  
 زیورے گزشتہ جو ہر تراوت بہنو خط سے  
 پانی سے رنگ گزیدہ در سے جس طرح اسد  
 تماشا کر لے جو آئینہ دارمی  
 ہوتے اس مہروش کے جلوئے قتال کے گئے  
 ہماریش جہل سے منار غائب بنز  
 از مہر تابزدہ دل و دل ہے آئینہ  
 اپنے کو دیکھا نہیں ذوقی ستم تو دیکھ

جو ہر آئینہ ہی چاہے بے رخاں ہوتا  
 جو ہر آئینہ کو طوطی بسل بانہا  
 یاں امتیاز ناقص و کامل نہیں رہا  
 میرا زانو منس اور آئینہ تیرا آشنا  
 چمن زنگار ہے آئینہ باہر ہستی کا  
 دیکھ برسات میں سبز آئینہ کا ہر جانا  
 کرے جو پر تو خورشید عالم شبنمستان کا  
 توڑا جو تو نے آئینہ قاتل دار تھا  
 صاحب کو دل نہ دینے پر کتنا غرور تھا  
 تغیر آب برجامانہ کا پاتا ہے رنگ آخر  
 ہزار آئینہ دل بانہا ہے کرک بال تمیدن پر  
 کہ دیکھے آئینہ انتظار کو پیر واز  
 لگا وے خانہ آئینہ میں رستے نگار آتش  
 ڈرا ہوں آئینہ حکمہ مردم گنہ دہوں  
 تجھے کس قفس سے ہم دیکھتے ہیں  
 پرافشاں جو ہر آئینہ میں شل ذرہ و ذریں  
 پیش نظر ہے آئینہ دام نقاب میں  
 طوطی کو شش جہت میں قابل ہے آئینہ  
 آئینہ تاکہ دیدہ و نگینہ نہ ہو

یہ دامن بورہا ہوں بسکہ میں صحرا فود  
 دل سے اٹھا لطف جلوہ ہائے معانی  
 تما محو تما شائے رشکست دل ہے  
 حشم عشاق نہ ہو سادگی آموز بتاں  
 جس کا سراغ جلوہ ہے حیرت کو لائے خدا  
 جس چشم فوں ساز کا گریا ہے اشارہ  
 سیلاب پشت گری آئینہ دے ہے ہم  
 جس بے پروا خریدار متاع جلوہ ہے  
 گردش ساغر صد جلوہ رنجیں تجھ سے  
 جانوں کیونکہ سٹے داغ طعن بد عہدی  
 دل خوں شدہ شمش حریت دیدار  
 مثال میں تیرے ہے وہ شوقی کہ بعد ذوق  
 معلوم ہوا حال شہید دان گذشتہ  
 جس پر ہے آئینہ پروانہ لے خدا  
 کج بختے بزمود بین و خود آراہوں نہ کیوں ہوں  
 کھر کے بے شجر آئینہ برگ گل پر آب  
 دل مت گنوا، خبر نہ بھی سیری ہی  
 آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں سے

غارِ پاپ ہیں، بزمِ آئینہ زانو بجھے  
 غیر گل آئینہ بہر نہیں ہے  
 آئینہ غلتے میں کوئی سے جاتا ہے مجھے  
 کس قدر غارت آئینہ ہے ویراں مجھ سے  
 آئینہ فرش شمش جہتِ انتظار ہے  
 طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آوے  
 حیراں کیے ہوئے ہیں دل بقرار کے  
 آئینہ زانوئے فکرِ نثار جلوہ ہے  
 آئینہ داری یک دیدہ حیراں مجھ سے  
 تجھے کہ آئینہ بھی ورطہ سلامت ہے  
 آئینہ بہ دست بہت ہست جنا ہے  
 آئینہ بہ انداز گل آغوش کشا ہے  
 تیغِ بستم، آئینہ تصویرِ نا ہے  
 رحمت، کہ عذر خواہ لب بے کراں ہے  
 بیٹھا ہے بہت آئینہ سیارے آگے  
 اسے عند لب وقت و دارع نہا ہے  
 اسے بے داغ، آئینہ شمال دار ہے  
 ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جھے

## روزن و شعاع

ہندو پاک پر تو نقشِ خیال یا رہا ہے  
 دھڑکی حضرتِ یوسفؑ نے یاں بھی غامہ آرائی  
 ہم اور وہ بے سبب رنج آشنا دشمن کر رکھا ہے  
 اجاودہ رو نور کو وقتِ شام ہے تارِ شعاع  
 گھوٹ گئے ہیں جمعِ اجڑے لگاؤ آفتاب  
 کیا کہوں تیری زندگی زندانِ غم اندھیر ہے  
 قید میں یعقوبؑ نے لی گوزِ یوسفؑ کی خبر  
 ہوئی ہے باغِ ذوقِ تماشا غامہ ویرانی  
 ہوتے اس مہر و شمعِ جلوۂ مثل کے آگے  
 ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے  
 بلبلِ گاہ جو شمسِ اضطرابِ شامِ تہستانی

دل افسردہ گویا حجر ہے یوسفؑ کے زندان  
 سفیدی حضرتِ یعقوبؑ کی بھرتی ہے زندان  
 شعاعِ ہیرے جہتِ نگ کی چشمِ روزن پہ  
 چرخِ خاکرتا ہے ماؤ نور سے آغوشِ دلدار  
 دوسے اس کے گھر کی دیوارِ دل کو غم نہیں  
 پتہ نہ صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں  
 لیکن آنکھیں روزنِ دیوارِ زندان پر گئیں  
 کفِ سیلابِ باقی ہے برنگِ پنبہ روزِ غم  
 پر افشاں جو ہر آئینہ میں خلِ فدہ روزن میں  
 پر ترسے آفتاب کے دوسے میں جان ہے  
 شعاعِ آفتابِ صبحِ عشرتِ بارِ بستر ہے

## صحرا اور بیابان

صحرا اگر یہ تسکین چشم بخشد تھا  
کچھ خیال آیا تھا دشت کا کہ صحرا میں گیا  
نہنداں میں بھی خیال بیابان فوراً تھا  
حباب موجز رفتار ہے نقش قدم میر  
ہر ذرہ خیل جو ہر تیغ آب دار تھا  
درو دیوار سے لپکے ہے بیابان ہونا  
جادو اجڑے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا  
خاندان مجنون محمد اگر دے دروازہ تھا  
عجب زہمت نے طلسم دل سائل باندھا  
بحر گر بحر نہ ہوتا تو بیابان ہوتا  
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا  
ذرت صحرا دست گاہ و قطرہ دریا آشنا  
ہنوز تیرے تصور میں ہے نشیب و فراز  
نقش پا میں ہے تپ گرمی فست از ہنوز  
جادو غیر از نگہ دیدہ تصویر نہیں  
دشت میں ہے مجھ وہ عیش کہ گھر یاد نہیں  
صحرا میں لے خلا کوئی دیوار بھی نہیں  
کوئی ہمسایہ نہ ہوا و پاس ہاں کوئی نہ ہو  
دریا، زمین کو عرق انفعال ہے

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار  
عرض کیجے جو ہر اندیشہ کی گرمی کہاں  
حباب چارہ ساز ہی دشت نہ کر سکے  
نہ ہر گاہ یک بیابان ماندگی سے ذوق کم ہوا  
دور سرب دشت و فاکانہ پر چھ سال  
گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی  
یک قدم دشت سے دس دتر امکان گھلا  
رغ دشت خرامی ہائے میلے کون ہے  
اس اُنیدنے یک عربہ میسداں مانگ  
گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویراں ہوتا  
کوئی دیرانی سی دیرانی سہے  
شوق ہے سامان طراز نازش ارباب مجر  
نہ ہو رہے بیابان فرد وہم و جد  
یک قدم کا فزائنش زدہ ہے صفحہ دشت  
شوق اس دشت میں دوڑ لے کر مجھ کہ جہاں  
میں وہ بھی خرابی میں پہ وسعت معلوم  
جدید کی کے ہاتھ سے ہے سرد ہاں دوش  
پے درو دیوار سا اک گھر بنایا جیسے  
دشت پر میری عصہ آفت نک تھا

دست گاہ دیدہ غوغبارِ محنوں دکھینا  
 گنگ رہا ہے دردِ دیوار سے بستہ غالب  
 آخر آبد سے جادہ محمد سے محنوں  
 ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرائے پرتے  
 بکوش جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسد  
 ہے فذہ قدرہ تنگی جاسے غبارِ شوق  
 سرورِ ہجوم دردِ غریبی سے ڈالیے

یک بیابانِ جلورہ گلِ فرشِ پائدار ہے  
 ہم بیابان میں ہیں گھر میں جبار آئی ہے  
 صورتِ رشتہ گوہر ہے چراغاں مجھ سے  
 گھستا ہے جبینِ خاک پر دریا مرے آگے  
 صحرا ہماری آنکھ میں یک مشت خاک ہے  
 گردِ دام یہ ہے وسعتِ صحرا شکار ہے  
 وہ ایک مشتِ خاک کہ صحرا کہیں جسے

## ساحل اور طوفان

آہ جو قطرہ دکھلا تھا سوطوں میں بکلا  
اس رہ گزریں جلوہ گل آگے گرد تھا  
جو تو دریائے سسے سے تو میں خمیازہ ہوا  
گر یہ سے یاں پیہ بالمش کف سیلاب تھا  
خاق عاشق کا ساز و آواز ہے سب تھا  
اس کے سیل گریہ میں گزریں کف سیلاب تھا  
تا محیط بادہ صورت خانہ خمیازہ تھا  
کیسے لڑکوں کا ہوا دیدہ بستہ نہ ہوا  
پر تو ہمتاب سیل غناں ہو جائے گا  
گہر میں محو ہوا اضطراب دیا کا  
گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باز تھا  
جہاں ساقی ہو تو قیاس ہے دعویٰ ہوشیاری کا  
سیلاب گریہ در پہ در دیوار و در ہے تاج  
کہ ناچتے ہیں پڑے سرسبز در و دیوار  
گرد ساحل ہے بر جسم موجہ دریائے شک  
نظر مریح کم از سیلی استاد نہیں  
کف سیلاب باقی ہے بزرگ پیہ بندان میں  
بیٹھے ہیں ہم تہیہ طوفان کیے ہوئے

دل میں پھر گریہ ہے اک شور اٹھایا غالب  
دل تا جگر کہ ساحل دریائے عمل جواب  
بقدر ظرف ہے ساقی خمیازہ کا بھی  
ظن کم کو عند بارش تھا غناں گیر حسد رام  
مقدم سیلاب کے دل کا لاشا ہر بنگر ہے  
شیں نے رو کا رات غالب کو و گرنہ دیکھتے  
شب خمیازہ ساقی رستخیز اندازہ تھا  
قہر سے میں جلد دکھائی نہ تھے لہر زوئیں گل  
بہر و گروا لیا ہی شام عجب میں بہت ہے آب  
تھہرے شوق کو دل میں بھی تنگی جا کا  
بہ بندھے تشنگی ذوق کے مضمون غالب  
حریف جو شش دریا نہیں خود دریا ساحل  
سے عافیت کنارہ کہ اسے انتظام چل  
شیر و چوہے خودی پیش نہ ہم سیلاب  
شور و جہاں تھا نا بجز سر پر کس کا کہ آج  
پہنیش کو ہے طوفان عوارض مکتب  
جوئی ہے مانع ذوق تماشا خانہ ویرانی  
غالب ہمیں نہ چھوڑے پھر خوش الحان سے



## نخست

فرستند رہے مرا فخر ہے بلاتیرا  
گو شرف خضر کی بھی مجھ کو ملاقات ہے  
حلیف طلب مشکل نہیں فسون نیاز  
دعا قبول ہو یا رب کہ عمر خضر دوراز  
وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناس خلق لئے خضر  
نہ تم کہ چور بنے عمر عباداں کے لیے  
ہلام نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں  
مانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ہے  
کیا کیا خضر نے فرستند سے  
اب کہے رہے ہمارے کوئی  
بلے صرف ہی گزرتی ہے ہو کر جو عمر خضر  
حضرت بھی کلی کہیں گے کہ ہم کیا کیے

## مجنوں

جز قیس اور کوئی نہ آیا بڑوسے کار  
محرر لنگر بتنگی چشم حشو دھت  
شوق ہر رنگ رقیب سدا سماں بکلا  
قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا  
مانع دشت شرمی ملے لیلیٰ کون ہے  
خاند مجنون صحرا گرد بے دروازہ دھت  
میں نے مجنوں پہ لوگوں میں اسد  
سنگ اٹھایا تھا کہ سدا یاد آسے  
نفا تعلیم دس بے خودی ہوں اُس زمانے سے  
کہ مجنوں لام الف کھتا تھا دیوار دہستان پر  
تقصاں ہمیں جوں میں بلا سے ہو گھر غراب  
کم نہیں وہ بھی خرابی میں یہ وسعت معلوم  
قیامت ہے کہ سن لیلیٰ کا دشت قیس مر آنا  
تم کو بھی ہم دکھائیں گے مجنوں نے کیا کب  
رگ لیلیٰ کو خاک دشت مجنوں ریشمی بخشے  
نفس قیس کہ ہے چشم و چراغ صحرا  
گر نہیں شمع سیاہ غائے سیلے نہ سہی

قدو گیسو میں قیس و کوہکن کی آزمائش ہے  
عاشق ہوں پر عاشق فریبی ہے مرا کام  
عالم غبار و دشت مجھوں ہے سرسبز  
بے پردہ سوئے وادی مجھوں گزرتہ کر  
ہر یک مکان کو ہے کلیں سے شرف اند  
جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے  
مجھوں کو بڑا کہتی ہے سیلے طرے آگے  
کب تک خیال طستہ لیلیٰ کوئے کوئی  
ہرزده کے نقاب میں دل بیکار ہے  
مجھوں جو مر گیا ہے تو جنگل آداس ہے

## منہاد

کوہکن نقاش یک مثال شیریں تھا اسد  
تیشہ بغیر مر نہ سکا کوہ کن اسد  
عشق و مزد و دمی عشرت گز خسو؛ کیا خوب!  
کوہ کن گز سبز مزد و طرب گاہ رقیب  
ایسی سادگی سے جان پڑوں کو کہن کے پانو  
ہم سخن تیشہ نے فریاد کو شیریں سے کیا  
قدو گیسو میں قیس و کوہکن کی آزمائش ہے  
کوہ کن کے کوہ کن کے سوئے کا امتحان آخر  
ہر ضرب تیشہ وہ اس واسطے ہلاک ہوا  
سنگ سے سر مار کر پیدائہ ہوئے آشنا ہے  
سرگشتہ خمار رسوم و قیود تھا  
ہم کو تسلیم بگو نامی منہاد نہیں  
بلے ستون آئینہ خواب گران خیریں  
بہ بات کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پانو  
جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہے  
جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے  
ہنوز اس جستہ کے نیروئے تن کی آزمائش ہے  
کہ ضرب تیشہ پہ رکھتا تھا کوہ کن تکیہ